ماہنامہ السنۃ، شمارہ نمبر ۲۹

ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ، الموافق مارچ ۲۰۱۱ء

السنۃ کے مستقل قارئین جانتے ہیں کہ باطل عقائد کے خلاف قرآن وسنت کے دلائل سے مزین ومبرہن ردّ ''معرکہ حق و باطل'' کے نام سے سلسلہ وار جاری ہے۔ اس کی دوسری قسط پیشِ خدمت ہے۔ ح،ا،ی

عقیدہ نمبر ⑤ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میرا نام قرآن میں محمد اور انجیل میں احمد اور توریت میں اُحید ہے۔ **وإنّما سمّيتُ أُحيد لأنّي أُحيد عن أمّتي نار جهنّم .** اور میرا نام اُحید اس لیے ہوا کہ میں امت سے آتشِ دوزخ کو دفع فرماتا ہوں۔'' (الكامل لابن عدی : ۳۳۷/۱، ت : ١٦٤، تاريخ ابن عساكر : ۳۲/۳)

تبصرہ : یہ جھوٹی روایت ہے۔ اس کو گھڑنے والا اسحاق بن بشر ابوحذیفہ ہے۔ اس کے ''کذاب'' اور ''وضاع'' (جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا) ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔ اس کے بارے میں امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سخت جھوٹا آدمی ہے۔ (تاريخ بغداد للخطيب البغدادی : ۳۲۷/٦، وسندهٗ صحيحٌ)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **كذّاب متروك .**

''یہ سخت جھوٹا اور متروک راوی ہے۔'' (الضعفاء والمتروكون للدارقطنی : ۹۲)

امام خلیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ضعيف جدّا ، يتّهم بوضع الحديث .**

''یہ سخت ضعیف راوی ہے۔ اس پر حدیثیں گھڑنے کا الزام ہے۔''

(الارشاد فی معرفة علماء الحديث للخليلی : ۹۵٤/۳)

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **ترک الناس حدیثه .**
''محدثین کرام نے اس کی حدیث کو چھوڑ دیا ہے ۔''(الکنی والاسماء : ۲۶۵/۱)

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **وأحادیثه منکرة ؛ إمّا إسنادا أو متنا ، لا یتابعه أحد علیها .** ''اس کی احادیث سند یا متن کے اعتبار سے منکر ہیں ۔ ان پر کوئی اس کی متابعت نہیں کرتا ۔''(الکامل لابن عدی : ۳۳۸/۱)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **وکان غیر ثقة .** ''یہ غیر معتبر راوی تھا ۔''(المتفق والمفترق للخطیب البغدادی : ۸۵/۲)

تنبیہ : اگر کوئی کہے کہ اسے محمد بن عمر الدار بجردی نے ''ثقہ'' کہا ہے ۔(تاریخ دمشق لابن عساکر : ۱۸۹/۸) **تو اس کے جواب میں حافظ ابنِ عساکر رحمہ اللہ کا** ردّ ملاحظہ فرمائیں ۔ وہ فرماتے ہیں : **لم یتابع الداربجردیّ علی توثیق أبی حنیفة .** ''ابو حذیفہ کو ثقہ کرنے پر دار بجردی کی موافقت کسی نے بھی نہیں کی ۔''(تاریخ دمشق لابن عساکر : ۱۸۹/۸)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **لا یفرح بتوثیق هذا الرجل .**
''اس آدمی کی توثیق سے خوش نہیں ہونا چاہیے ۔''(سیر اعلام النبلاء للذهبی : ٤٧٨/٩)

ہم کہتے ہیں کہ پہلے محمد بن عمر الدار بجردی کی اپنی توثیق ثابت کی جائے !

ثابت ہوا کہ یہ روایت جھوٹ کا پلندا ہے ۔ اس پر اپنے عقیدے کی بنیاد رکھتے ہوئے جناب احمد رضا خان بریلوی صاحب لکھتے ہیں : ''وہابی صاحبو! تمہارے نزدیک اُحید پیارا صلی اللہ علیہ وسلم دافع البلاء تو ہے ہی نہیں ، کہہ دو کہ وہ تم سے نارِ جہنم بھی دفع نہ فرمائیں اور بظاہر اُمید تو ایسی ہی ہے کہ جو جس نعمتِ الٰہی کا منکر ہوتا ہے ، اُس نعمت سے محروم ہو جاتا ہے ۔''(الامن والعلی از احمد رضا خان بریلوی : ص ۱۱۳)

نیز کہتے ہیں: ''وہابی کہتے ہیں: شفاعت محالِ مطلق ہے۔'' (الامن والعلی: ص۱۱۳)
یہ دروغ گوئی ہے۔ شیطان لعین کے کسی ساتھی سے تو انکارِ شفاعت کا صدور ممکن ہے، کسی مسلمان سے نہیں۔ اہل حدیث، اہل سنت کا اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت فرمائیں گے۔ شفاعت برحق ہے۔ اس کے ثبوت پر ہماری کتابیں لبریز ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے پیارے حبیب **محمد** کریم ﷺ کی شفاعت سے بہرہ ورفرمائے۔ رہا جھوٹوں کا پلندا، جھوٹی روایات تو وہ احمد رضا خان صاحب بریلوی کے سر کا تاج ہیں۔ ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں۔ لہٰذا شفاعت کی بنا پر نبیٔ اکرم ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ دافع البلاء، یعنی مصیبتوں کو دفع کرنے والے ہیں، انتہائی غلط ہے۔ سلف صالحین کے عقیدہ کے سراسر مخالف ہے۔

عقیدہ نمبر ⑥ : (ا) سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اپنے دونوں بیٹوں، سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو لے کر نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئیں: **انحلهما** ''ان دونوں کو کچھ عطا فرمائیے۔'' **قال : نعم ، أمّا الحسن فقد نحلته حلمي وهيبتي ، وأمّا الحيسن فقد نحلته نجدتي وجودی.**
''فرمایا: ہاں! حسن کو تو میں نے اپنا حلم اور ہیبت عطا کی اور حسین کو اپنی شجاعت اور سخاوت بخشتا ہوں۔'' (تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱۲۹/۱٤)

تبصرہ : یہ روایت سخت باطل ہے۔ اس کا راوی محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
ضعّفه الجمهور . ''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف کہا ہے۔''
(مجمع الزوائد: ۱۳٤/۹)

اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **منکر الحدیث .**

(کتاب الضعفاء للبخاری : ٣٤٢)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **حدیثه لیس بشیء .**

''اس کی حدیث کسی کام کی نہیں ۔''(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ٢/٨)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **ضعیف الحدیث ، منکر الحدیث جدّا ذاهب .** ''یہ ضعیف الحدیث اور سخت منکر الحدیث ، نیز بہت کمزور راوی ہے۔''(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ٢/٨)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **متـــروک .** ''یہ متروک راوی ہے۔''

(سوالات البرقانی : ٤٧٤)

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **وهو فی عداد شیعة الکوفة ، ویروی من الفضائل أشیاء لا یتابع علیها .** ''اس کا شمار کوفہ کے شیعہ میں ہوتا ہے ۔ اس سے ایسے فضائل مروی ہیں جن پر اس کی متابعت نہیں کی گئی ۔''

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی : ٦/١١٤)

(ب) سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی : **انحلهما** اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو کچھ عطا فرمائیں ۔فرمایا: **نحلت هذا الکبیر المهابة والحلم ، ونحلت هذا الصغیر المحبّة والرضا .** میں نے اس بڑے (حسن رضی اللہ عنہ) کو ہیبت و بردباری عطا کی اور اس چھوٹے (حسین رضی اللہ عنہ) کو محبت و رضا عطا کی ۔

(کنز العمال للمتقی الهندی : ٣٧٧١٣)

تبصرہ : یہ سخت ترین ''ضعیف'' روایت ہے ۔اس کا راوی ناصح بن عبداللہ المحلمی سخت مجروح راوی ہے ۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے :

منكر الحديث ، كان يذهب إلى الرفض . ''یہ منکر الحدیث راوی تھا۔ رافضی مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔'' (الضعفاء الکبیر للعقیلی : ۳۱۱/٤، وسندهٗ صحیحٌ)

امام یحییٰ بن معین ، امام عمرو بن علی الفلاس ، امام ابو حاتم وغیرہم رحمہم اللہ نے اسے ''متروک'' اور ''ضعیف الحدیث'' جیسے الفاظ کے ساتھ مجروح قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۵۰۳/۸)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔ (تقریب التہذیب : ۷۰۶۷)

یہ روایت اسی رافضی اور منکر الحدیث راوی کی کارستانی ہے۔

(ج) نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس مرض میں وفات ہوئی ، اس میں فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے دونوں بیٹوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو لے کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی : میرے دونوں بیٹوں کو کسی چیز کا وارث بنا دیں۔ فرمایا : أمّا حسن فله هيبتي وسؤددي ، وأمّا حسين فله جرأتي وجودي . حسن کے لیے تو میری ہیبت اور میری سرداری ہے اور حسین کے لیے میری جرأت اور جود و سخاوت ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی : ۴۲۳/۲۲، تاریخ دمشق لابن عساکر : ۲۲۹/۱۳)

تبصرہ : اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے۔

① حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : وفيه من لم أعرفهم . ''اس روایت میں بعض ایسے راوی ہیں ، جن کو میں پہچان نہیں پایا۔''

(مجمع الزوائد للهیثمی : ۱۸۵/۹)

② اس کا راوی ابراہیم بن علی بن حسن الرافعی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاری ، امام دارقطنی ، وغیرہما نے جرح کی ہے۔ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : كان يخطئ حتّى خرج عن حدّ من يحتجّ به إذا انفرد ، مرّض يحيى بن معين القول فيه . ''یہ غلطیاں کرتا تھا ، یہاں تک

کہ جب یہ منفرد ہوتو ان راویوں کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے جن سے حجت لی جاتی ہے۔امام یحییٰ بن معین کی رائے اس کے بارے میں تحقیق پر مبنی نہیں ہے (یعنی ان کی رائے درست نہیں، بلکہ دوسرے محدثین کی رائے اس کے بارے میں راجح ہے)۔''

(المجروحین لابن حبان : ۱۰۳/۱)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(تقریب التھذیب : ۲۱۹)

امام حاکم رحمہ اللہ (مستدرکِ حاکم : ۱۸۰/۴) نے اس کی ایک سند کو ''صحیح'' قرار دیا تو اس کے ردّ میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : **الرافعیّ ضعّفوه .** ''رافعی کو محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(تلخیص المستدرك للذهبی : ۱۸۰/٤)

ان تینوں سخت ضعیف روایات پر ''اعلحضرت'' احمد رضا خان بریلوی صاحب نے یوں سرخی جمائی ہے : ''نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو جہان کی دولت ایک جملہ فرما کر بخش دیتے ہیں۔''(الامن والعلیٰ از احمد رضا خان : ص ۱۰۸)

نیز لکھتے ہیں : ''نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختارِ خزائنِ الٰہی ہونے کا نفیس ثبوت۔''(الامن والعلیٰ : ص ۱۰۹)

قارئین کرام! وہ نفیس ثبوت آپ نے ملاحظہ کرلیا ہے۔ یہ ہیں غلو و جہالت پر مبنی اہل بدعت وضلالت کے عجمی عقائد اور یہ ہیں ان کے مزعومہ دلائل!

❀❀❀❀❀❀❀

اسلافِ امت کا اجتہاد ہی مشعلِ راہ ہے!

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فالمجتهد ینظر فی تصانیف المتقدّمین من القرون الثلاثة ، ثمّ یرجّح ما ینبغی ترجیحه . ''مجتہد کو چاہیے کہ وہ تین زمانوں کے متقدمین (صحابہ، تابعین، تبع تابعین) کی تصانیف کو دیکھے، پھر (کسی مسئلہ میں ان کے مختلف اجتہادات میں سے) جسے راجح سمجھے ترجیح دے۔''

(مجموع الفتاوی لابن تیمیة : ۲۰/۹)
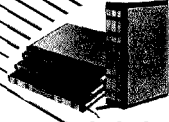
قبروں پر عرس اور میلوں کا انعقاد بدعتِ قبیحہ اور حرام و ناجائز امر ہے ۔ یہ دراصل ہندوؤں کی نقالی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی صریح نافرمانی ، سلف صالحین کی مخالفت ، حدودِ شرع سے تجاوز اور انہدامِ اسلام ہے ۔عقیدہ وعمل کی بہت سی خرابیاں اس اقدام سے وابستہ ہیں ۔ یہ قریب بہ شرک یا بے شمار بدعات وخرافات کا موجب ضرور ہے۔ اس سے مشرکانہ عقائد و اعمال پروان چڑھتے ہیں ۔ اس فعلِ بد کو سندِ جواز دینا درحقیقت احکامِ شریعت کی کھلم کھلا توہین و تذلیل ہے ۔

عرسوں اور میلوں کا اصل سبب جہالت اور غلو ہے ۔ اس لیے یہ قبوری فتنوں میں سے بڑا فتنہ ہے ۔شرک کے قلع قمع کے لیے اس سے اجتناب ضروری ہے ۔ یہ وقت اور قیمتی مال و دولت کا ضیاع ہے ۔ اس کے باوجود جناب ''مفتی'' احمد یار خان نعیمی گجراتی صاحب لکھتے ہیں : ''عرس کے لغوی معنیٰ ہیں شادی ، اس لیے دولہا اور دُلہن کو عروس کہتے ہیں۔ بزرگانِ دین کی تاریخ وفات کو اس لیے عرس کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ جب نکیرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں : **نم کنومة العروس التی لا یوقظه إلا أحبّ أهله إلیه** تو اس دلہن کی طرح سو جا ، جس کو سوائے اس پیارے کے کوئی نہیں اُٹھا سکتا ۔ تو چونکہ اس دن نکیرین نے ان کو عروس کہا ، اس لیے وہ دن روزِ عرس کہلایا ۔ یا اس لیے کہ وہ جمالِ مصطفٰے کے دیکھنے کا دن ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دولہا ہیں ۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی بہار ہے اور وصالِ محبوب کا دن عرس کا دن ہے ، لہٰذا یہ دن عرس کہلایا یا عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و

صدقات کا ثواب پہنچانا۔''(''جاء الحق'' از نعیمی: جلد ا ص ۳۲۱،۳۲۲)

یہ ہے جہالت وغلو کا ملغوبہ! سوال یہ ہے کہ آیا اس حدیث کا مفہوم خود شارع نے سمجھایا ہے یا نہیں؟ صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اور ائمہ دین نے اس کا مطلب سمجھا ہے یا نہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو خیر القرون میں ایک عرس کی مثال پیش کر دیں۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ یہ حدیث کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے، دین کی تحریف کی جا رہی ہے۔ دینِ اسلام میں مروّجہ عرس کا تصور تک نہیں ہے، لیکن یہ لوگ اسے خالص دین قرار دینے پر مُصر ہیں۔ کیوں؟ یہ الفاظ تو ہر مؤمن کو کہے جاتے ہیں، پھر ہر مؤمن کی قبر پر عرس کیوں نہیں رچایا جاتا؟ اس کے برعکس کتنے لوگ ہیں جن کا مؤحد ومتقی مؤمن ہونا ثابت نہیں، بلکہ ان کی تاریخ وفات بھی معتبر ذرائع سے معلوم نہیں، لیکن وہاں بھی میلے لگتے ہیں۔ کتنی ہی جعلی قبریں ہیں جن میں گدھے اور دوسرے جانور دفن ہیں اور ان کو بزرگانِ دین کا نام دے کر عرس منعقد کیے جا رہے ہیں۔

رہا نبیٔ اکرم ﷺ کا قبر میں حاضر ہونا تو یہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ آپ ذرا تنقیص آمیز الفاظ پر غور کریں کہ'' وہ تو خلقت کے دولہا ہیں۔'' یعنی پوری خلقت دلہن ہے۔ یہ کیا ہے؟

بات سیدھی سادھی ہے کہ قبریں ان کے خود ساختہ مذہب کی بقا کا باعث ہیں اور شکم پروری کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہیں۔ ان کے بغیر ان کی دکان نہیں چمکتی۔ بس عامۃ الناس کو گمراہ کیے جا رہے ہیں۔ دین کے نام پر ان کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جا رہا ہے۔ خانقاہی نظام اگر ختم ہو جائے تو کوئی ان کو ایک روٹی بھی نہ دے۔

جناب نعیمی صاحب کے دلائل اور ان کا تجزیہ ملاحظہ فرمائیں:

① إنّ النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يأتي قبور الشهداء بأحد على رأس كلّ حول. ''حضور علیہ السلام ہر سال شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لاتے

تھے۔'' (''جاء الحق'' از نعیمی: جلد ا ص ۳۲۲)

تبصرہ: تفسیر ابن جریر (۹۶/۱۳) میں اس کی سند یوں ہے:

حدّثني المثنّى : ثنا سويد ، قال : أخبرنا ابن المبارك عن إبراهيم بن محمّد عن سهيل بن أبي صالح عن محمّد بن إبراهيم ، قال ....

یہ سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① المثنّی بن ابراہیم الآملی کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

② یہ روایت ''مرسل'' ہے۔ محمد بن ابراہیم شاید محمد بن ابراہیم بن الحارث بن خالد التیمی ہیں۔ یہ تابعی ہیں۔ تابعی ڈائریکٹ نبیٔ اکرم ﷺ سے بیان کرے تو روایت ''مرسل'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہوتی ہے۔

یہ تو اس روایت کی اسنادی پوزیشن ہے۔ رہا اس سے عرس اور میلے کا جواز نکالنا تو کسی ہوش مند انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

② دوسری دلیل درِ منثور (۶۴۰/۴) کے حوالے سے یوں ذکر کی گئی ہے:

إنّه كان يأتي قبور الشهداء على رأس كلّ حول ، فيقول : سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار ، والخلفاء الأربعة هكذا كانوا يفعلون .

(''جاء الحق'' از نعیمی جلد ا ص ۳۲۲)

تبصرہ: درِ منثور میں اس کی کوئی سند مذکور نہیں۔ یہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہے۔ البتہ یہ روایت واقدی کی کتاب ''المغازی'' (۳۱۳/۱، ۳۱۴) میں موجود ہے، لیکن یہ واقدی باتفاقِ محدثین ''ضعیف ومتروک'' اور ''کذاب'' راوی ہے، لہٰذا اس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔ رہا اس سے عرس کا جواز تو یہ نری جہالت اور کم بختی ہے۔

یہ وہ مزعومہ دلائل ہیں جن کی بنیاد پر عرس رچائے جاتے ہیں۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اس اصل عرس کا ثبوت حدیثِ پاک اور اقوالِ فقہاء سے ہے۔''

(''جاء الحق'' از نعیمی: جلد ا ص ۳۲۲)

مفتی صاحب کی ''حدیثِ پاک'' تو آپ نے ملاحظہ فرما لی۔ اقوالِ فقہاء جناب نے ذکر ہی نہیں کیے۔ اب وضاحت ہو گئی ہے کہ ہندو اپنے متبرک مقامات کی زیارت کے لیے جمع ہوتے ہیں تو اس کا نام ''جاترا'' رکھا ہے۔ بعض لوگوں نے ''عرس'' نام رکھ لیا ہے۔ احکامِ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، ورنہ سلف صالحین ضرور اس کا انعقاد کرتے۔

③ مفتی صاحب ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں:

''مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: ہم نے تم کو زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا **ألا فزوروھا** اب ضرور زیارت کیا کرو۔ اس سے ہر طرح زیارتِ قبور کا جواز معلوم ہوا، خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی جاوے یا کہ جمع ہو کر اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ مجمع ساتھ زیارت کرنا منع ہے۔ سال کے بعد مقرر کر کے زیارت کرنا منع ہے، محض لغو ہے، معین کر کے ہو یا بغیر معین کیے۔ ہر طرح جائز ہے۔'' (''جاء الحق'' از نعیمی: جلد ا ص ۳۲۳)

یہ نبیٔ اکرم ﷺ کی احادیث میں تحریف ہے۔ **ألا فزوروھا** کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ''اب ضرور زیارت کیا کرو۔'' اور کہتے ہیں: ''اس سے ہر طرح زیارتِ قبور کا جواز معلوم ہوا۔'' ''ضرور'' اور ''جواز'' پر غور کریں۔ کتنا تضاد ہے؟ زیارتِ قبور والی حدیث سے عرس کا ثبوت فراہم کرنا صحابہ کرام اور ائمہ دین کی سراسر مخالفت ہے۔ کوئی بھی صحیح العقیدہ امام ان احادیث سے یہ مسئلہ ثابت نہیں کرتا۔ مفتی صاحب عرس کو سندِ جواز دینے کی غرض سے ایک نئی بدعت ''اجتماعی زیارت'' کو ثابت کرنے لگ گئے ہیں۔ حدیث میں مطلق زیارت کا ذکر کیا ہے۔ مسلمانوں نے ہر دور میں اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ زیارت کا مقصد خود نبیٔ اکرم ﷺ نے بیان فرما دیا ہے: **فإنّھا تذکّرکم الموت .**

''یہ تمہیں موت یاد کرواتی ہے۔''(صحیح مسلم : ۹۷۶)

نیز فرمایا: **ألا فزوروها ، فإنّه یرقّ القلب وتدمع العین وتذکّر الآخرة .**

''خبردار! اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو، اس طرح دل نرم ہوتا ہے، آنکھ روتی ہے اور یہ (قبریں) آخرت یاد دلاتی ہیں۔''(المستدرك للحاکم : ۳۷٦/۱، وسندهٗ حسنٌ)

عرس اور میلوں میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ کسی پر مخفی نہیں۔ایک بدعت کی آڑ میں بیسیوں بدعات وخرافات اور لغویات و ہفوات ، بلکہ مشرکانہ عقائد و اعمال کا اس قدر بازار گرم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ بھی شرما جاتے ہیں ۔ وہاں اکتسابِ فیض ، طلبِ برکت اور استمداد کے لیے جایا جاتا ہے ۔ وہاں تو حسن کے شیدائی ہوتے ہیں ، سازوں میں خدا کی آواز سن رہے ہوتے ہیں ، شرابِ طہور کی یاد میں شراب نوشی ہوتی ہے ، بدکاری تک کر گزرتے ہیں۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ خدا کی مشیئت کے بغیر دنیا میں پتا تک حرکت نہیں کرسکتا ۔العیاذ باللہ!

نذرانے چڑھائے جاتے ہیں ، صاحبِ قبر کے لیے تعظیمی سجدہ روا سمجھا جاتا ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ اونچے اونچے گنبدوں ،مقبروں کی شان و شوکت ، دیواروں کی مینہ کاری اور تابوت کے نقش و نگار کو دیکھ کر بھلا موت یاد آتی ہے؟

شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی رحمہ اللہ (۱۱۱۴۔۱۱۷٦ھ) فتنۂ قبر پرستی کے بارے میں لکھتے ہیں :

ومن أعظم البدع ما اخترعوا فی أمر القبور ، واتّخذوها عیدا .

''ان مشرکین نے سب سے بڑی بدعت قبروں کی صورت میں ایجاد کی ہے اور ان قبروں پر میلے رچا لیے ہیں۔''(تفهیمات الٰهیة : جلد ۲ ص ٦٤)

قارئین کرام ! آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے کہ دلائل سے عاری لوگ کس طرح کی باتیں کرتے ہیں ۔شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١۔۷۲۸ھ) نے کتنی پیاری بات کی ہے:

لیس الاعتقاد لی ، ولا لمن هو أکبر منّی ، بل الاعتقاد یؤخذ عن اللّٰه سبحانه وتعالیٰ ورسوله صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، وما أجمع علیه سلف الأئمّة ،

يؤخذ من كتاب الله ومن أحاديث البخاريّ ومسلم وغيرهما ، من الأحاديث المعروفة ، وما ثبت عن سلف الأمّة . ''عقیدہ نہ میرا اپنا ہے، نہ میرے کسی بڑے کا ہے، بلکہ عقیدہ تو اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اسلافِ امت کے اجماع سے اخذ کیا جاتا ہے، یعنی عقیدہ کتاب اللہ، بخاری و مسلم وغیرہما کی صحیح احادیث اور اسلافِ امت سے ثابت شدہ (اجماعی) اقوال سے لیا جائے گا۔''(مجموع الفتاوی : ۲۰۳/۳)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷۴ھ) لکھتے ہیں : إنّ الدين ليس بالتحلّي ولا بالتمنّي ، وليس كلّ من ادّعى شيئا حصل له بمجرد دعواه ، ولا كلّ من قال : إنّه هو الحقّ سمع قوله بمجرّد ذلك ، حتّى يكون له من الله برهان . ''دین محض تزیین و آرائش اور آرزو کا نام نہیں ہے۔ ہر شخص جو دعویٰ کرے، اسے محض دعویٰ کی وجہ سے وہ چیز حاصل نہیں ہو جاتی، نہ ہی ہر شخص جو کہے، وہ صرف اس کے کہنے کی وجہ سے سچ بنتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے کوئی دلیل ہو۔''(تفسیر ابن کثیر : ۳۸۰/۲)

ہم کہتے ہیں کہ قبروں پر میلوں کی دلیل ہونا تو کجا، اسے تو شریعت نے ممنوع و حرام ٹھہرایا ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((ولا تجعلوا قبری عيدا ، وصلّوا علیّ ، فإنّ صلاتكم تبلغني حيث كنتم)) ''تم میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا، بلکہ (دُور سے ہی) مجھ پر درود پڑھ لینا۔ تم جہاں بھی ہو گے، تمہارا درود مجھ تک پہنچ جائے گا۔''

(مسند الامام احمد : ۳٦۷/۲، سنن ابی داؤد : ۲۰٤۱، واللفظ له ، وسندهٗ حسنٌ)

حافظ نووی رحمہ اللہ (الاذکار : ص ۱۰٦، خلاصۃ الاحکام : ۴۴۰/۱) اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (فتح الباری: ۴۸۸/٦) نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے اور شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وهذا إسناد حسن ، فإنّ رواته كلّهم ثقات مشاهير .

''اس کی سند حسن ہے، کیونکہ اس کے سارے راوی مشہور ثقہ ہیں۔''

(اقتضاء الصراط المستقیم : ۲/٦٥٤)

اس حدیث میں قبروں پر میلے ٹھیلے لگانے کی واضح ممانعت موجود ہے۔ مبتدعین حضرات سلف صالحین کی مخالفت میں اس کا معنیٰ یہ کرتے ہیں :

''میری قبر پر جمع نہ ہو، تنہا تنہا ہی آیا کرو۔'' (''جاء الحق'' از نعیمی : جلد ۱ ص ۳۲۵)

ہمارا سوال ہے کہ جب نبیٔ اکرم ﷺ کی قبر پر اجتماع ممنوع ہے تو کسی دوسرے کی قبر پر اجتماع کا جواز کہاں سے آیا؟

دوسرا معنیٰ نعیمی صاحب نے یوں بیان کیا ہے : ''تم ہماری قبر پر جلد جلد آیا کرو، مثل عید کے سال بھر کے بعد میں نہ آیا کرو۔'' (''جاء الحق'' از نعیمی : جلد ۱ ص ۳۲٦)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ (٦٩١۔٧٥١ھ) لکھتے ہیں :

وقد حرّف هذه الأحاديث بعض من أخذ شبها من النصارى بالشرك وشبها من اليهود بالتحريف ، فقال : هذا أمر بملازمة قبره والعكوف عنده واعتياد قصده وانتيابه ، ونهى أن يجعل كالعيد الّذى إنّما يكون فى العام مرّة أو مرّتين ، فكأنّه قال : لا تجعلوه بمنزلة العيد الذى يكون من الحول إلى الحول ، واقصدوه كلّ ساعة وكلّ وقت ، وهذا مراغمة ومحاداة لله ومناقضة لما قصده الرسول وقلب للحقائق ونسبة الرسول إلى التدليس والتلبيس بعد التناقض ، فقاتل اللّه أهل الباطل أنّى يؤفكون ، ولا ريب أنّ من أمر الناس باعتياد أمر وملازمته وكثرة انتيابه بقوله : لا تجعلوه عيدا فهو إلى التلبيس وضدّ البيان أقرب منه إلى الدلالة والبيان ، فإن لم يكن هذا تنقيصا فليس للتنقيص حقيقة ، فينا كمن يرمى أنصار الرسول وحزبه بدائه ومصابه وينسل ، كأنّه برىء ، ولا ريب أنّ ارتكاب كلّ كبيرة بعد الشرك أسهل إثما وأخف عقوبة من تعاطى مثل ذلک فى دينه وسنته ، وهكذا غيّرت ديانات الرسل ،

ولولا أنّ اللّٰه أقام لدينه الأنصار والأعوان الذابّين عنه لجرى عليه ما جرى على الأديـان قبله ، ولو أراد رسول اللّٰه ما قاله هؤلاء الضلال ، لم ينه عن اتّخاذ قبور الأنبيـاء مسـاجـد ، ويلعن ويلعن فاعل ذلک ، فإنّه إذا لعن من اتّخذها مساجد يـعبـد الـلّٰـه فيهـا فـكيف يـأمـر بـمـلازمتها والعكوف عندها وأن يعتاد قصدها وانتيـابهـا ولا تـجعل كالعيد الذى يجيء من الحول إلى الحول ، وكيف يسأل ربّه أن لا يجعل قبره وثنا يعبد ، وكيف يقول أعلم الخلق بذلک : ولولا ذلک لأبـرز قبـره ولـكـن خشـى أن يتّـخذ مسجدا ؟ وكيف يقول : لا تجعلوا قبرى عيـدا ، وصلّوا علىّ حيثما كنتم ؟ وكيف لم يفهم أصحابه وأهل بيته من ذلک ما فهمه هؤلاء الضلال الّذين جمعوا بين الشرک والتحريف ؟

''بعض لوگ جنہوں نے عیسائیوں سے شرک کے ساتھ اور یہودیوں سے تحریف کے ساتھ مشابہت کی ہے ، انہوں نے ان احادیث میں تحریف کی ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ ان احادیث میں تو نبیٔ اکرم ﷺ کی قبر کو لازم پکڑنے ، اس پر اعتکاف کرنے ، بار بار اس کی طرف جانے کا حکم ہے اور اس بات کی ممانعت ہے کہ اس کی طرف عید کی طرح سال کے سال جایا جائے ، یعنی سال میں صرف ایک دو مرتبہ جانے سے منع کیا گیا ہے ۔ گویا کہ آپ ﷺ یہ کہنا چاہتے تھے کہ میری قبر کو اس عید کی طرح نہ بنانا جو سال کے بعد آتی ہے ، بلکہ ہر وقت ، ہر گھڑی اس کا قصد کرنا ۔ حالانکہ ان احادیث کا یہ مطلب لینا اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور اس کی مخالفت ہے ۔ نیز یہ رسول اللہ ﷺ کی مراد کے خلاف بات ہے ۔ اس سے حقائق کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کی طرف تناقض کے ساتھ ساتھ تدلیس و تلبیس کی بھی نسبت کی گئی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اہل باطل کو تباہ و برباد کرے ، وہ کہاں بہکے پھرتے ہیں ! بلاشبہ جو شخص لوگوں کو اپنی قبر کی طرف بہت زیادہ آنے ، اس کو لازم پکڑنے اور بار بار زیارت کا حکم یہ کہہ کر دیتا ہے کہ میری قبر کو میلہ گاہ نہ بناؤ ، وہ فصاحت و بلاغت کی بجائے تلبیس اور تناقض کے زیادہ قریب ہے ۔ اگر یہ گستاخی نہیں تو پھر

دنیا میں گستاخی کا کوئی وجود ہی نہیں ، اس شخص کی طرح جو رسول اللہ ﷺ کے اعوان و انصار اور آپ ﷺ کی جماعت کو اپنی (شرک و بدعت اور باطل تاویل) کی بیماری اور مصیبت میں ملوث کرتا ہے اور خود برئ الذمہ ہو جاتا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ شرک کے بعد آپ ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کی سنت کے بارے میں ایسے تاثرات کے اظہار سے ہر کبیرہ گناہ کم تر قباحت اور ہلکے عذاب والا ہے ۔ سابقہ رسولوں کے ادیان کو بھی اسی طرح بدل دیا گیا تھا ۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے دین اسلام کے لیے مددگار اور محافظ پیدا نہ کرتا جو اس سے تحریف کا ازالہ کرتے ہیں ، تو اسلام پر بھی وہی حالات آ جاتے جو پہلے ادیان پر گزرے تھے ۔

اگر رسول اللہ ﷺ کی مراد وہی ہوتی جو یہ گمراہ لوگ بیان کرتے ہیں تو آپ ﷺ انبیائے کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع نہ فرماتے اور ایسا کرنے والوں پر لعنت در لعنت نہ فرماتے ۔ جب آپ ﷺ قبروں پر مسجدیں بنانے ، جن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی تھی ، والوں پر لعنت کر رہے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ قبروں کو لازم پکڑنے ، ان پر اعتکاف کرنے اور ان پر بار بار آنے کا حکم دیں اور اس بات سے منع کریں کہ ان پر سال کے سال آ کر عید نہ بنایا جائے ؟ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ربّ سے یہ دعا بھی کریں کہ آپ کی قبر بت نہ بنے جس کی عبادت کی جائے ؟ اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والی شخصیت (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کہیں کہ آپ ﷺ کی قبر اسی لیے کھلی نہیں رکھی گئی کہ لوگوں کی طرف سے اسے سجدہ گاہ بنائے جانے کا ڈر تھا ؟ اور پھر آپ ﷺ یہ کیسے فرما سکتے تھے کہ میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا ، بلکہ جہاں بھی ہونا ، درود پڑھ دینا ، تم جہاں بھی ہو گے ، درود مجھ تک (فرشتوں کے ذریعے) پہنچ جائے گا ؟ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بات آپ ﷺ کے صحابہ کرام اور آپ ﷺ کے اہل بیت کی سمجھ میں نہ آئی جو شرک و تحریف کو جمع کرنے والے ان گمراہوں کی سمجھ میں آئی ہے ؟ (اغاثة اللهفان من مصايد الشيطان لابن القيم : ص ١٩٢،١٩٣)

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ اس حدیث کو عرسوں کے ردّ میں بطورِ دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **لا تجعلوا زیارۃ قبری عیدا ، أقول : ھذا إشارۃ إلی سدّ مدخل التحریف کما فعل الیھود والنصاری بقبور أنبیائھم ، وجعلوھا عیدا أو موسما بمنزلۃ الحجّ .** ''تم میری قبر کی زیارت کو میلہ نہ بنا لینا۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے انبیائے کرام کی قبروں کو حج کا سا اجتماع یا تہوار بنانے کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے۔''

(حجۃ اللہ البالغۃ للشاہ ولی اللہ الدھلوی : ۷۷/۲)

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وفی الجملۃ ھذا الذی یفعل عند ھذہ القبور ھو بعینہ الذی نھی عنہ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بقولہ : ((لا تتّخذوا قبری عیدا)) ، فإنّ اعتیاد قصد المکان المعیّن فی وقت معیّن عائد بعود السنۃ أو الشھر أو الأسبوع ، ھو بعینہ معنی العید ، ثمّ ینھی عن دقّ ذلک وجلّہ . ''الحاصل ان قبروں پر جو کچھ ہو رہا ہے ، وہ بعینہٖ وہ چیز ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر منع کیا تھا کہ میری قبر کو عید نہ بنانا۔ اعتیاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی خاص جگہ کا کسی معین وقت میں جو سال ، مہینے یا ہفتے بعد لوٹ کر آئے ، قصد کرنا۔ بالکل یہی معنیٰ عید کا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے چھوٹے بڑے ہر کام سے منع فرما دیا ہے۔''

(اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم لابن تیمیۃ : ص ۲۵۸،۲۵۷)

نیز فرماتے ہیں: **ووجہ الدلالۃ أنّ قبر النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم أفضل قبر علی وجہ الأرض ، وقد نھی عن اتّخاذہ عیدا ، فقبر غیرہ أولیٰ النھی کائنا من کان ، ثمّ قرن ذلک بقولہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم : ((ولا تتّخذوا بیوتکم قبورا)) أی لا تعطّلوھا عن الصلاۃ فیھا والدعاء والقراءۃ ، فتکون بمنزلۃ القبور ، فأمر بتحرّی العبادہ فی البیوت ، ونھی عن تحرّیھا عند القبور ،**

وهذا عكس ما يفعله المشركون من النصارىٰ ومن تشبّه بهم .

'' دلالت کا طریقہ یہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کی قبر روئے زمین پر موجود سب قبروں سے افضل ہے ۔ آپ ﷺ نے اس کو میلہ گاہ بنانے سے منع فرمایا ہے تو دوسری سب قبریں خواہ کسی کی بھی ہوں ، ان کو میلہ گاہ بنانے کی ممانعت بالاولیٰ ہو گی ۔ پھر اس بات کو ایک دوسری حدیثِ نبوی کے ساتھ ملائیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، یعنی ان کو نماز ، دعا اور قراءت سے خالی نہ کرو کہ وہ قبروں کی طرح ہو جائیں۔ یوں آپ ﷺ نے گھروں میں عبادت کرنے کا اور قبروں پر عبادت سے رکنے کا حکم دیا ہے ۔ یہ فرمانِ نبوی اس طریقے کے خلاف ہے جسے عیسائی لوگ اور ان سے مشابہت کرنے والے لوگ اپنائے ہوئے ہیں ۔''(اقتضاء الصراط المستقیم : ص ۱۷۲)

علامہ مناوی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں : معناه النهي عن الاجتماع لزيارته اجتماعهم للعيد ، إمّا لرفع المشقّة أو كراهته أن يتجاوزوا حدّ التعظيم . '' اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے عید کی طرح اجتماع منع ہے ۔ یا تو مشقت ختم کرنے کے لیے ایسا فرمایا گیا ہے یا اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ وہ تعظیم کی حد سے گزر جائیں گے ۔''

(فیض القدیر للمناوی ، تحت الحدیث : ۵۰۱۶)

علامہ طیبی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں : '' آپ نے لوگوں کو اپنی قبر پر اس طرح جمع ہونے سے منع فرمایا جس طرح کہ عید کے موقع پر سیر وتفریح اور زینت کے ساتھ جمع ہوا جاتا ہے ۔ یہود و نصاریٰ اپنے انبیائے کرام کی قبروں پر ایسا کرتے تھے ۔ اس چیز نے ان کو غافل اور سخت دل بنا دیا تھا ۔''(مرقاۃ المفاتیح للقاری : ۱۴/۳)

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ) فرماتے ہیں : إنّ النبيّ صلّى الله عليه وسلّم نهى عن بناء المساجد على القبور ، ولعن من فعل ذلك ، ونهى عن تجصيص القبور وتشريفها واتّخاذها مساجد ، وعن الصلاة إليها وعندها ،

وعن إيقاد المفاتيح عليها ، وأمر بتسويتها ، ونهى عن اتّخاذها عيدا ، وعن شدّ الرحال إليها ، لئلا يكون ذلک ذريعة إلى اتّخاذها أوثانا والإشراک بها ، وحرّم ذلک على من قصده ومن لم يقصده ، بل قصد خلافه سدّا للذريعة .

''نبیٔ اکرم ﷺ نے قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا اور ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے ۔ نیز آپ ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے ، بلند کرنے ، سجدہ گاہ بنانے ، ان پر نماز ادا کرنے اور ان کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے اور ان پر چراغاں کرنے سے منع فرمایا ہے اور ان کو برابر کرنے کا حکم دیا ہے ، ان کو میلہ گاہ بنانے اور ان کی طرف رختِ سفر باندھ کر جانے سے منع فرمایا ہے تاکہ یہ کام ان کی عبادت کرنے اور ان کی وجہ سے شرک کرنے کا ذریعہ نہ بن جائے ۔ یہ کام سدّ ذرائع کے طور پر ایسا ارادہ کرنے والوں اور ارادہ نہ کرنے والوں ، بلکہ اس کے خلاف ارادہ رکھنے والوں سب پر حرام کر دیا گیا ہے ۔''

(اعلام الموقعین لابن القیم : ۱۵۱/۳)

قبروں پر عرس کے ردّ میں ایک اور دلیل ملاحظہ ہو :

سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، وہ بیان کرتے ہیں :

نذر رجل على عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أن ينحر إبلا ببوانة ، فأتى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، فسأله ، فقال : ((هل كان فيها وثن يعبد ؟)) قال : لا ، قال : ((فهل كان فيها عيد من أعيادهم)) ، فقال : لا ، فقال : ((أوف بنذرک))

''ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بوانہ نامی مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی ۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس بارے میں پوچھا ۔ آپ ﷺ نے فرمایا : کیا اس جگہ پر کوئی ایسا بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی ؟ اس نے عرض کیا : نہیں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا : کیا اس جگہ پر مشرکین کے میلوں میں سے کوئی میلہ تھا ؟ اس نے عرض کیا : نہیں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا : اپنی نذر پوری کرلو ۔''

(سنن ابی داوٗد : ۳۳۱۳، المعجم الکبیر للطبرانی : ۲/۷۵،۷٦، ح : ۱۳۴۱، وسندہٗ صحیحٌ)

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں : **وإسنـــاده كـلّهم ثقات مشاهير ، وهو متّصل بلا عنعنة .** ''اس کی سند کے سارے راوی مشہور ثقہ ہیں اور یہ سند عنعنہ کے بغیر متصل ہے ۔''(اقتضاء الصراط المستقیم : ص ۱۸٦)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے ۔

(التلخیص الحبیر : ۴/۱۹۸، بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام ، کتاب الایمان والنذور)

حافظ ابنِ عبدالہادی رحمہ اللہ (۷۰۴۔۷۴۴ھ) اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں :

وفى هذا الحديث دلالة على أنّ تعظيم المكان المتّخذ عيدا بالذبح عنده لا يجوز كما ذبح عند الوثن ، كلّ هذا سدّ للذريعة المفضية إلى الشرك وحماية وصيانة لجانب التوحيد ، فإذا كان صلّى اللّٰه عليه وسلّم قد منع الذبح عند المكان المتّخذ عيداً سواء كان قبراً أو غيره ، فنهيه عن اتّخاذ القبر عيداً أولى وأحرى ، إذ المفسدة فى اتّخاذ القبر عيداً أعظم بكثير من مفسدة الذبح عند المكان الذى اتّخذه عيداً ، وهذه الأحاديث تدلّ كلّها على تحريم تخصيص القبور بما يوجب انتيابها وكثرة الاختلاف إليها من الصلاة عندها واتّخاذها مساجد ، واتّخاذها عيداً ، وإيقاد السرج عليه والصلاة إليها والذبح عندها ، ولا يخفى مقاصد هذه الأحاديث وما اشتركت فيه على من شمّ رائحة التوحيد المحض ، وبهذا يعلم بطلان تأويل من تأوّل قوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم : ((لا تجعلوا قبرى عيداً)) ، أى لا تجعلوه فى قلّة الاختلاف إليه وانتيابه ومتابعة قصده بمنزلة العيد الذى إنّما يكون فى السنة مرّتين ، بل اقصدوه فى كلّ وقت واحتشدوا للمجىء إليه وواظبوا على إتيانه من القرب والبعد ، واجعلوا ذلك دأبكم وعادتكم ، ومعلوم أنّ هذا مناقض لما علم من سننه فى قبره الكريم ، وغيره أشدّ مناقضة وترغيب للنفوس فى الوقوع فيما

حـذّر مـنه أمّته ، وخاف عليهم منه ومعاكسة له فی قصده ، ومن المعلوم أنّ من أراد هـذا الـمعنی الذی ذکره المتأوّل بقوله: ((لا تتخذوا قبری عیداً)) ، فهو إلـی الألـغـاز ضدّ البیان أقرب منه إلی الإرشاد والبیان ، کیف والسنّة المعلومة تـنـاقـضـه أبیـن مـناقضة ، بل نفس هذا الحدیث یردّ هذا التأویل ویبطله ، وهو قولـه : ((وصلوا علی حیثما کنتم)) ، ثمّ لو کان هذا مراده وحاشاه من ذلک لأتـی بلفظ صریح أو ظاهر فی الترغیب فی قصده وکثرة الاختلاف إلیه ، کما جاء عنه الترغیب فی کثرة الاختلاف إلی المساجد .

’’اس حدیث میں دلیل ہے کہ جس جگہ میں (مشرکین کا) کوئی میلہ وغیرہ لگتا ہو، اس جگہ کی جانور ذبح کر کے تعظیم کرنا اسی طرح ناجائز ہے، جس طرح بت کے نزدیک ذبح کے ساتھ تعظیم ناجائز ہوتی ہے ۔ یہ سب کچھ شرک کی طرف جانے والے راستوں کو بند کرنے اور توحید کی حفاظت و صیانت کے لیے ہے ۔ جب آپ ﷺ نے قبر وغیرہ پر میلہ لگنے والی جگہ پر جانور ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے تو آپ ﷺ کا قبر کو عید گاہ اور میلہ بنانے سے منع کرنا بالاولی ثابت ہو جائے گا ، کیونکہ قبر کو میلہ گاہ بنانے کے نقصانات میلہ گاہ پر جانور ذبح کرنے سے بہت زیادہ ہیں ۔ یہ سب احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ قبروں کو ایسی چیزوں کے ساتھ خاص کرنا ، جن سے ان پر آنا جانا زیادہ ہو، ان پر سجدہ کیا جائے ، ان کو میلہ گاہ بنایا جائے ، ان پر چراغاں کیا جائے ، ان کے نزدیک جانوروں کو ذبح کیا جائے ، حرام ہے ۔ ان احادیث کے مقاصد اور ان کا مشترکہ مفہوم اس شخص سے مخفی نہیں ہے، جس نے خالص توحید کی خوشبو بھی سونگھی ہو ۔ اس بحث سے اس شخص کی تاویل کا بطلان بھی واضح ہو گیا ہے جو کہتا ہے کہ فرمانِ نبوی: میری قبر کو میلہ گاہ نہ بناؤ، کا مطلب یہ ہے کہ کم آنے جانے اور قصد کرنے کے سبب میری قبر کو عید کی طرح نہ بناؤ جو سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے ۔ بلکہ ہر وقت میری قبر کا قصد کرو، اس کی طرف آنے میں جلدی کرو اور دُور اور قریب سے اس کی طرف مسلسل آؤ، اس کام کو اپنی فطرت اور عادت بناؤ .... حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ یہ مفہوم

نبیٔ اکرم ﷺ کے اپنی قبر مبارک اور دوسری قبروں کے بارے میں ارشادات کے سخت خلاف ہے ، نیز یہ مفہوم اس چیز کی طرف ترغیب دیتا ہے جس سے آپ ﷺ نے اپنی امت کو منع فرمایا ہے اور خطرہ محسوس کیا ہے ۔ یہ بات آپ ﷺ کی مراد کے خلاف ہے ۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ تاویل کرنے والے نے جو معنیٰ بیان کیا ہے وہ اذہان میں وضاحت و رہنمائی کی بجائے الجھن پیدا کرتا ہے ۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ معروف احادیث اس مفہوم کے سخت خلاف ہیں ، بلکہ یہ حدیثِ نبوی خود اس تاویل کو باطل قرار دے کر ردّ کرتی ہے ، اس میں نبیٔ اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ تم جہاں بھی ہو ، مجھ پر درود پڑھ دیا کرو ۔ پھر اگر (معاذ اللہ!) آپ ﷺ کی مراد یہی ہوتی تو آپ ﷺ اسے قبروں کی طرف قصد کی ترغیب اور زیادہ آنے جانے کے واضح الفاظ میں بیان فرما دیتے ، جیسا کہ آپ ﷺ نے مسجدوں کی طرف زیادہ آنے کی ترغیب دی ہے ۔''

(الصارم المنکی فی الرد علی السبکی : ص ۳۱۰)

❀❀❀❀❀❀❀

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

فضیلۃ الشیخ غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری حفظہ اللہ کے والدِ گرامی ۷ ربیع الاوّل ۱۴۳۲ھ ، بمطابق ۱۱ فروری ۲۰۱۱ء کو اذانِ مغرب کے وقت سو سال کی عمر پا کر وفات پا گئے ۔ مرحوم نے بریلویت سے تائب ہو کر مسلک اہلحدیث قبول کیا تھا ۔ پھر عمر بھر صحیح العقیدہ اور پکے اہلحدیث رہے ۔ علمائے اہلحدیث سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے ۔ انتہائی بے ضرر اور نفیس طبیعت کے مالک تھے ۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ پوری زندگی میں کسی سے قرض نہیں لیا ، سوائے ایک دفعہ کے جب وہ حج کی سعادت حاصل کرنے جا رہے تھے اور اس وقت بھی اپنے بیٹے کو یہ وصیت کر کے گئے تھے کہ اگر میں واپس نہ آ سکا تو یہ اسباب ہیں جن کے ذریعے یہ قرض ادا کرنا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان کی بشری لغزشیں معاف فرماتے ۔ قارئین سے اپیل ہے کہ وہ خصوصی دعاؤں میں ان کو یاد رکھیں ۔

اذان کا جواب دینا ہمارے پیارے نبیٔ اکرم ﷺ کی پیاری سنت ہے:

① عن أبی سعید الخدریّ : أنّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال : ((إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذّن)) ''سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم اذان سنو تو کہو اس کی مثل جو مؤذن کہتا ہے۔''(صحیح البخاری: ۸۶/۱، ح: ٦١١، صحیح مسلم: ۱٦٦/۱، ح: ۳۸۳)

یہ حدیث صحیح البخاری (۸٦/۱) میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

② سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب تم مؤذن کی اذان سنو تو جو وہ کہتا ہے، تم بھی کہو، پھر مجھ پر درود پڑھو۔ جس نے ایک بار مجھ پر درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا۔ اس کے بعد تم میرے لیے اللہ تعالیٰ سے 'وسیلہ' کا سوال کرو۔ بے شک یہ جنت میں ایک منزلت (درجہ) ہے۔ یہ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک کے لائق ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں۔ جس نے میرے لیے 'وسیلہ' کا سوال کیا، اس پر میری شفاعت واجب ہے۔''(صحیح مسلم: ۱٦٦/۱، ح: ۳۸٤)

ان دو ''صحیح'' احادیث سے اذان کے جواب کا استحباب اور اجر و ثواب ثابت ہوا ہے۔ نیز ان کے عموم سے پتا چلتا ہے کہ جو کلمات مؤذن کہے، جواب میں وہی کلمات دہرائے جائیں، البتہ ایک دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہِ کہا جائے گا، جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر جب مؤذن

حَيَّ عَلَى الصَّلَاة کہے تو تم میں سے کوئی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہے اور جب مؤذن حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہے تو تم میں سے کوئی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہے۔"

(صحيح مسلم: ١٦٧/١، ح: ٣٨٥)

ان کلمات کی استثنیٰ حدیث سے ثابت ہوگئی۔لیکن اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے الفاظ عموم میں داخل ہیں۔یعنی ان کے جواب میں یہی الفاظ دہرائے جائیں گے، کیونکہ ان کی استثنیٰ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کلمات کے جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کہا جائے گا۔جبکہ یہ کلمات نبیِ اکرم ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں ہیں۔اس بارے میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لا أصل لها . "ان کلمات کی کوئی اصل نہیں۔"

(التلخيص الحبير لابن حجر: ٢١١/١)

جناب مولوی عاشق الٰہی بلندشہری دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

" حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہے اور باقی الفاظ کے جواب میں وہی الفاظ کہے جو مؤذن سے سنے۔یہ احادیث سے ثابت ہے۔البتہ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے جواب میں الگ سے کوئی خاص کلمات کہنا ثابت نہیں ہے۔قُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ (اسی طرح کہو جیسے مؤذن کہے) کا تقاضا یہ ہے کہ جواب دینے والا بھی اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہے اور اس سے اپنے نفس کو خطاب کرے اور حنفیہ شافعیہ کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ اس کے جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔"

(حاشيه حصن حصين از عاشق الٰهى ديوبندى: ٢٥٥)

❀❀❀❀❀❀❀

تکرارِ نمازِ جنازہ کا ثبوت

ابوسعید

ایک میت پر ایک سے زیادہ بار نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے ۔ یہ نبیٔ اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ احناف مقلدین کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں ، جبکہ اس کے ثبوت پر بہت ساری احادیثِ مبارکہ وارد ہوئی ہیں ۔

① سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

إنّ النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم صلّی علی قبر .

''نبیٔ اکرم ﷺ نے ایک قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی ۔''

(صحیح مسلم : ۳۰۵/۱، رقم الحدیث : ۹۵۵)

② سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے :

إنّ النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم صلّی علی قبر امرأۃ بعد ما دفنت .

''نبیٔ اکرم ﷺ نے ایک عورت کی قبر پر دفن کے بعد نماز جنازہ ادا کی ۔''

(سنن النسائی : ۲۰۲۷، وسندہٗ حسنٌ)

③ امام شعبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں : **أخبرنی من مرّ مع النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم علی قبر منبوذ ، فأمّھم ، وصلّو خلفہ .**

''مجھے اس شخص نے خبر دی جن کا گزر نبیٔ اکرم ﷺ کے ساتھ ایک الگ تھلگ قبر کے پاس سے ہوا (سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما مراد ہیں) کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی امامت کی ۔ انہوں نے آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی ۔''

(صحیح البخاری : ۱۷۸/۱، ح : ۱۳۳۶، صحیح مسلم : ۳۰۵/۱، ح : ۹۵٤)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر پر نماز جنازہ پڑھنا نبیٔ اکرم ﷺ کا خاصہ ہے ۔ اس کے

ردّ و جواب میں علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ (۳۸۴۔۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

فهـذا أبطل الخصوص ، لأنّ أصحابه عليه السلام ، وعليهم رضوان الله ، صلّوا معه على القبر ، فبطلت دعوى الخصوص .

''یہ خصوصیت کا دعویٰ بہت باطل ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے ساتھ قبر پر نماز جنازہ پڑھی تھی۔ یوں خصوصیت کا دعویٰ باطل ہو گیا ہے۔''

(المحلی لابن حزم: ۱۴۱/۵، مسئلہ: ۵۸۱)

محدثین کرام نے اس حدیث پر الصلاۃ علی القبر کے حوالے سے ابواب قائم کیے ہیں۔ جناب عبدالحیٔ لکھنوی حنفی (۱۲۶۴۔۱۳۰۴ھ) اس دعوئ خصوصیت کو تحقیق کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ (التعلیق الممجد: ص ۱۶۷)

④ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو دیتی تھی۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے گم پایا تو اس کے بارے میں دریافت کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ عورت فوت ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ کی؟ گویا انہوں نے اس کے معاملہ کو معمولی سمجھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دلّوني على قبره ، فدلّوه ، فصلّى عليها . ''مجھے اس کی قبر بتاؤ۔ صحابہ کرام نے اس کی قبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ نے اس عورت پر نماز جنازہ ادا کی۔''

(صحیح البخاری: ۱۷۸/۱، ح: ۱۳۳۷، صحیح مسلم: ۳۰۵/۱، ح: ۹۵۶)

⑤ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ پر نماز جنازہ پڑھی۔

(صحیح البخاری: ۱۰۰۷/۱، ح: ۶۸۲۰)

جبکہ دوسری روایت جو سیدنا ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے سیدنا ماعز کے قصے کے بارے میں آتی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: **فقيل للنبيّ صلّى الله عليه وسلّم : يا رسول الله ! تصلّى عليه ؟ قال : لا .**

''نبیٔ اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا : اے اللہ کے رسول ! کیا آپ اس کی نماز جنازہ ادا کریں گے ؟ آپ نے فرمایا : نہیں ۔'' جب آپ ﷺ نے آئندہ کل (اگلے دن) ظہر کی نماز ادا کی تو آپ نے پہلی دو رکعتیں لمبی کر کے پڑھیں ، جیسا کہ آپ نے گذشتہ روز لمبی کر کے پڑھی تھیں یا اس سے کچھ کم ۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا :

فصلّوا علی صاحبکم ، فصلّی علیه النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم والناس .

''اپنے ساتھی پر نماز جنازہ پڑھو ۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے اور دوسرے لوگوں نے اس پر نماز جنازہ پڑھو ۔''(مصنف عبد الرزاق : ۳۲۱/۷، ح : ۱۳۳۳۹، وسندہٗ صحیحٌ)

ان دونوں روایات میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ جس دن سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی ، اس دن آپ ﷺ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی ، لیکن اگلے دن پڑھ لی ۔

⑥ سیدنا یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : ہم نے نبیٔ اکرم ﷺ کی معیت میں باہر نکلے ۔ جب بقیع پہنچے تو اچانک ایک قبر نظر آئی ۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں سوال کیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا : یہ فلاں عورت کی قبر ہے ۔ آپ ﷺ نے اسے پہنچان لیا ۔ فرمایا : آپ نے مجھے اس کے بارے میں اطلاع کیوں نہیں کی ؟ انہوں نے عرض کیا : آپ روزے کی حالت میں تھے اور دوپہر کو آرام فرما رہے تھے ۔ آپ ﷺ نے فرمایا : **لا أَعْرِفَنَّ ما مات منکم میّت ما کنت بین أظهرکم إلّا آذنتمونی به ، فإنّ صلاتی علیه رحمة ، قال : ثمّ أتی القبر ، فصففنا خلفه ، وکبّر علیه أربعا .** ''جب تک میں تمہارے درمیان موجود ہوں ، میرے علم میں یہ نہ آئے کہ تم میں سے کوئی فوت ہوا ہے اور تم نے مجھے اس کی اطلاع نہیں کی ۔ کیونکہ میری نماز جنازہ اس پر رحمت ہوتی ہے ۔ پھر آپ قبر کے پاس آئے ۔ ہم نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں ۔ آپ ﷺ نے اس پر چار تکبیریں کہیں ۔ (مسند الامام احمد : ۳۸۸/۴، سنن النسائی : ۲۰۲۴، المستدرك علی الصحیحین للحاکم : ۵۹۱/۳، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۳۰۸۷) نے ''صحیح'' کہا ہے ۔

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (م۳۵۴ھ) فرماتے ہیں : ((فإنّ صلاتی علیهم رحمة)) ، ولیست العلّة ما یتوهّم المتوهّمون فیه أنّ إباحة هذه السنّة للمصطفی صلی اللّٰه علیه وسلّم خاصّ دون أمّته ، إذ لو کان ذلک لزجرهم صلّی اللّٰه علیه وسلّم عن أن یصطفّوا خلفه ویصلّوا معه علی القبر ، ففی ترک إنکاره صلّی اللّٰه علیه وسلّم علی من صلّی علی القبر أبین البیان لمن وفّقه اللّٰه للرشاد والسداد أنّه فعل مباح له ولأمّته معا .

''فرمانِ نبوی ((فإنّ صلاتی علیهم رحمة))[میرا نماز جنازہ ادا کرنا فوت ہونے والوں کے لیے رحمت کا باعث ہے](سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ قبر پر نماز جنازہ جائز نہیں) ، حالانکہ علت وہ نہیں ہے جو بعض وہم زدہ لوگوں کے وہم میں آئی ہے کہ یہ طریقہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے ، امت کے لیے نہیں ، کیونکہ اگر ایسے ہوتا تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اپنے پیچھے صفیں بنانے اور اپنے ساتھ قبر پر نماز پڑھنے سے منع فرما دیتے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے والوں کو نہ روکنا توفیقِ الٰہی سے نوازے ہوئے لوگوں کے لیے واضح دلیل ہے کہ یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت سب کے لیے جائز ہے ۔''(صحیح ابن حبان : ۳۵۷/۷)

علامہ ابوالحسن محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی (م ۱۱۳۸ھ) لکھتے ہیں :

من ههنا قد أخذ الخصوص من ادّعی ذلک ، وهو دلالة غیر قویّة .

''جنہوں نے خصوصیت کا دعویٰ کیا ہے ، انہوں نے یہاں سے دلیل لی ہے ، لیکن یہ دلالت مضبوط نہیں ہے ۔''(حاشیة السندی علی سنن النسائی : ۸۵/٤)

⑥ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : إنّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم صلّی علی قبر البراء بن معرور رضی اللّٰه عنه ، وکبّر علیه

أربع تكبيرات . ''رسول اللہ ﷺ نے سیدنا براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی اور ان پر چار تکبیریں کہیں ۔'' (المطالب العالیة لابن حجر : ۷۸۰، وسندہٗ صحیحٌ)

ان احادیث کے علاوہ بھی احادیثِ مبارکہ ثابت ہیں ۔ علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ (۳۸۴۔۴۵۶ھ) فرماتے ہیں : فهٰذه آثار متواترة ، لا يسع الخروج عنها .

''یہ متواتر احادیث ہیں، جن کے انکار کی گنجائش نہیں ۔'' (المحلی لابن حزم : ۱۴۱/۵)

⑧ ابنِ ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں : توفّی عبد الرحمن بن أبی بکر ، فی منزل کان فیه ، فحملناه علی رقابنا ستّة أمیال إلی مکّة ، وعائشة غائبة ، فقدمت بعد ذلک ، فقالت : أرونی قبره ، فأروها ، فصلّت علیه .

''عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اپنے گھر میں فوت ہو گئے ۔ ہم نے انہیں مکہ کی طرف چھ میل اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے گئے ۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں تھیں ۔ وہ اس کے بعد تشریف لائیں تو فرمایا : مجھے ان کی قبر دکھاؤ ۔ لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہا کو سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی قبر دکھائی تو آپ رضی اللہ عنہا نے ان کی نماز جنازہ ادا کی ۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۳۶۰/۳، وسندہٗ صحیحٌ)

⑨ نافع تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں : توفّی عاصم بن عمر ، وابن عمر غائب ، فقدم بعد ذلک ، فقال : أرونی قبر أخی ، فأروه ، فصلّی علیه . ''عاصم بن عمر فوت ہو گئے ۔ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما موجود نہیں تھے ۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو فرمایا : مجھے میرے بھائی کی قبر دکھاؤ ۔ لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہما کو ان کی قبر دکھائی تو انہوں نے نماز جنازہ ادا کی ۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۳۶۰/۳، وسندہٗ صحیحٌ)

علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں : ما علمنا أحدا من الصحابة رضی اللّٰه عنهم نهی عن الصلاة علی قبر رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، وما نهی

اللّٰـه تـعـالـىٰ عـنـه ، ولا رسوله عليه السلام ، فالمنع من ذلک باطل ، والصلاة عـليه فعل خير ، والدعوىٰ باطل إلّا ببرهان . ''ہم کسی ایک صحابی کو بھی نہیں جانتے جس نے رسول اللہ ﷺ کی قبر پر نماز جنازہ سے منع کیا ہو۔ نہ اللہ تعالیٰ نے قبر پر نماز جنازہ سے روکا نہ رسول اللہ ﷺ نے ، لہٰذا اس سے روکنا باطل ہے۔ قبر پر نماز جنازہ ادا کرنا کارِ خیر ہے۔ کوئی بھی دعویٰ دلیل کے بغیر باطل ہی ہوتا ہے۔''

(المحلی لابن حزم : ۵/۱۴۱)

عبد اللہ بن عون رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ کے ساتھ تھا۔ ہم ایک جنازہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ وہ ہم سے پہلے ہی ادا کر دیا گیا یہاں تک کہ میت کو دفن بھی کر دیا گیا تھا۔ اس پر امام ابنِ سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا:

تعال حتّى نصنع كما صنعوا ، قال : فكبّر على القبر أربعا .

''آؤ ہم بھی اسی طرح (نماز جنازہ ادا) کریں جیسے انہوں نے ادا کیا ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے قبر پر (نماز جنازہ ادا کرتے ہوئے) چار تکبیریں کہیں۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۳/۳٦۰، وسندہٗ صحیحٌ)

امام شافعی ، امام احمد بن حنبل وغیرہما رحمہما اللہ بھی قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کے قائل و فاعل ہیں۔

⑩ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: إنّ النبيّ صلّى الله عليه وسلّم خرج يوما ، فصلّى على أهل أحد صلاته على الميّت .

''بلاشبہ نبیِ اکرم ﷺ ایک دن باہر تشریف لے گئے اور احد کے شہداء پر نماز پڑھی جیسے آپ میت پر نماز جنازہ ادا کرتے تھے۔''

(صحیح البخاری : ۱/۱۷۹، ح : ۱۳٤٤، صحیح مسلم : ۲/۲۵۰، ح : ۲۲۹٦)

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ میت پر اگر سالوں پہلے نماز جنازہ ادا کی جا چکی ہو

تو بھی نماز جنازہ کا اعادہ کرنا جائز ہے۔ جس نے یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد دعا ہے، اس کی بات خطا پر مبنی ہے۔

یہ نماز جنازہ نبیٔ اکرم ﷺ نے شہداء اُحد پر آٹھ سال بعد ادا کی تھی، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ان شہداء پر پہلے بھی نماز جنازہ ادا کی تھی۔ (شرح معانی الآثار: ۵۰۲/۱، وسندہٗ حسنٌ)

مذکورہ بالا حدیث سے میت پر تکرارِ جنازہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح قبر پر نماز جنازہ کی ادائیگی کا بھی اثبات ہوتا ہے، خواہ قبر پرانی ہو یا نئی اور خواہ دفن سے پہلے نماز جنازہ ادا کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔

لطیفہ: جناب محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی حیاتی صاحب امام ابوحنیفہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''غرضیکہ اس مظلومانہ طور پر ۱۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ پہلی مرتبہ کم وبیش پچاس ہزار کے مجمع نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ چھ مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ سیرۃ النعمان: ۴۲۔'' (مقام ابی حنیفہ از صفدر: ۹۸، ۹۹)

محقق اہلحدیث الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے جواباً لکھا ہے کہ یہ جھوٹی کہانی ہے۔ جب امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ، بلکہ تمام احناف کا یہ مسلک ہے کہ قبر پر دوبارہ نماز جنازہ جائز نہیں تو امام ابوحنیفہ کے لیے جائز کیوں؟

(مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں: ۲۶۰)

شیخ اثری حفظہ اللہ کے ردّ وجواب میں جناب صفدر صاحب کے ''فرزند ارجمند'' محمد عبدالقدوس خان قارن لکھتے ہیں: ''اور دوسری بات کرنے میں تو اثری صاحب نے بے تکی کی حد کر دی، جب وہ ذرا ہوش میں آئیں تو ان سے کوئی پوچھے کہ کیا امام صاحب کے جنازہ میں صرف احناف شریک تھے؟ دیگر مذہب (مالکی، شافعی اور حنبلی وغیرہ) کے لوگ شریک نہ تھے؟ جب وہ لوگ شریک تھے اور ان کے نزدیک قبر پر نماز جنازہ

پڑھنا درست ہے تو اس پر اعتراض کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے؟''

(مشہور غیر مقلد مولانا ارشاد الحق اثری صاحب کا مجذوبانہ واویلا از قارن : ۲۸۹)

قارئین کرام ذرا انصاف کیجیے! جب امام ابوحنیفہ ۱۵۰ھ میں فوت ہو رہے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت ۱۵۰ھ میں ہوئی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے تو ان کی ولادت سے پہلے ان کے پیروکار دنیا میں امام ابوحنیفہ کی نماز جنازہ میں کیسے شریک ہو گئے؟ اب جب قارن صاحب ہوش میں آئیں تو وہ ہمارے اس سوال کا جواب ارشاد فرمائیں!

❀❀❀❀❀❀❀

مسجد میں غائبانہ نمازِ جنازہ

خواجہ غلام فرید چاچڑاں والے کا فتویٰ:

''وباء کا ذکر ہوا رہا تھا جو اِن دنوں چاچڑاں شریف اور نواحی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور نہر کے اُس پار ایک عورت اس وباء میں فوت ہوئی ہے، لیکن اُس کا جنازہ کسی نے نہیں پڑھا اور ٹالی بہادر شاہ کے قبرستان میں دفن کر دی گئی ہے۔ آپ (خواجہ غلام فرید) نے بہت رنج و افسوس کا اظہار فرمایا اور مولوی غلام رسول اور راقم سے فرمایا کہ تم کو بہت ثواب ہو گا اگر اسی جگہ کھڑے ہو کر اس کے لیے امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب پر نماز جنازہ پڑھ لو۔ چنانچہ مجلس سے اُٹھ کر ہم مسجد میں گئے۔ مولوی غلام رسول نے اقامت کی۔ میں اور دو اَور آدمی مُقتدی ہوئے اور نماز جنازہ غیبی ادا کی حالانکہ اس کی قبر یہاں سے ایک میل دُور ہے۔''

(اشارات فریدی المعروف مقابیس المجالس ، ملفوظات خواجہ غلام فرید : ص ۹۹۰)

دفاعِ حدیث

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ

حافظ ابو یحییٰ نورپوری حفظہ اللہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی فرضیت کے حوالے سے ایک جامع کتاب ترتیب دے رہے ہیں، جس میں اہل حق کے دلائل، ان دلائل پر فقہائے دین کی آراء، پھر ان دلائل پر اہل باطل کے اعتراضات کا تجزیہ، نیز نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی ممانعت کے دلائل کا علمی وتحقیقی محاسبہ کیا گیا ہے۔عنقریب یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔إن شاء اللہ ! اس کتاب کے بابِ اوّل کی تیسری فصل افادۂ عام کے لیے ہدیۂ قارئین کی جارہی ہے۔ غ،م

فصل سوم: حدیثِ ابی امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ

امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ بْنَ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ يُحَدِّثُ ابْنَ الْمُسَيِّبِ، قَالَ: [اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ أَنْ يُكَبِّرَ، ثُمَّ يَقْرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ، ثُمَّ يُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يُخْلِصَ الدُّعَاءَ لِلْمَيِّتِ، وَلَا يَقْرَأَ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولٰى، ثُمَّ يُسَلِّمَ فِي نَفْسِهٖ عَنْ يَّمِينِهٖ]

میں نے سیدنا ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کو حدیث سنا رہے تھے، انہوں نے فرمایا: نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ آدمی (پہلی) تکبیر کہے، پھر سورۂ فاتحہ کی قراءت کرے، پھر (دوسری تکبیر کے بعد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، پھر (تیسری تکبیر کے بعد) میت کے لیے اخلاص کے ساتھ دُعا کرے، قراءت صرف پہلی تکبیر کے بعد کرے،

پھر اپنی دائیں جانب خاموشی سے سلام پھیر دے۔ ①

❁ یہاں سورۂ فاتحہ کو نماز جنازہ میں سنت قرار دینے والے سیدنا ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی صحبت کے بارے میں اگرچہ اختلاف ہے، لیکن راجح بات یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہیں سنی، لیکن وہ صحابیٔ رسول ہی ہیں، کیونکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف انہیں حاصل ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَأَبُو أُمَامَةَ هٰذَا صَحَابِيٌّ .

یہ ابو امامہ صحابیٔ رسول ہیں۔ ②

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے خود بھی اس کی صراحت کی ہے اور دیگر کئی محدثین کرام سے بھی یہ بات نقل کی ہے کہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ کو زیارتِ نبوی کا شرف حاصل ہے۔ ③

بعض محدثین کرام کا ان کے بارے میں صحبت کی نفی کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ صحابیٔ رسول نہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں کچھ عرصہ گزارنے کا موقع نہیں ملا۔ یہ بات ہم نے محض اٹکل پچو سے نہیں کی۔

ہمیں کتبِ رجال کے مطالعہ سے اس بارے میں ایک عمدہ قاعدہ معلوم ہوا ہے۔ وہ یہ کہ جب بعض محدثین کسی شخص کو صحابی قرار دیں اور ان کے لیے رؤیت کا اثبات کریں، جبکہ بعض ان کی صحبت کی نفی کریں تو ان کی مراد لغوی صحبت ہوتی ہے، نہ کہ اصطلاحی، یعنی بتانا یہ مقصود ہوتا ہے کہ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تفصیلی ملاقات نہیں کی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

① مصنف عبد الرزاق : 489/3، مصنف ابن أبي شيبة : 296/3، 298، فضل الصلاة على النبي للامام إسماعيل القاضي ، نقلًا عن ابن حجر في التلخيص الحبير : 287/2، سنن النسائي : 1989، المنتقىٰ لابن الجارود : 540، مسند الشاميين للطبراني : 160/4، رقم الحديث : 3000، وسندهٗ صحيحٌ . ② خلاصة الأحكام في مهمات السنن وقواعد الإسلام للنووي : 975/2.

③ تقريب التهذيب لابن حجر : 402، تهذيب التهذيب لابن حجر : 264/1.

کوئی حدیث روایت نہیں کی ۔ اس قاعدے کی ایک دلیل ملاحظہ فرمائیں کہ سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کو محدثین کرام نے صحابی قرار دیا ہے :

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

طَارِقُ بْنُ شِهَابٍ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے ۔ ①

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

طَارِقُ بْنُ شِهَابٍ قَدْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ شَيْئًا .

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی ، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہیں سنی ۔ ②

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَطَارِقُ بْنُ شِهَابٍ مِّمَّنْ يُّعَدُّ فِي الصَّحَابَةِ .

طارق بن شہاب ان لوگوں میں سے ہیں ، جن کا شمار صحابہ کرام میں ہوتا ہے ۔ ③

علامہ ذہبی رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں :

رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے ۔ ④

کسی ایک محدث نے بھی ان کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے کا

---

① المراسيل لابن أبي حاتم : ص 98.

② سنن أبي داوٗد ، تحت الحديث : 1067.

③ المستدرك على الصحيحين للحاكم : 288/1.

④ سير أعلام النبلاء للذهبي : 488/3.

انکارنہیں کیا۔البتہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ ان کے لیے زیارتِ نبوی کا اثبات کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

طَارِقُ بْنُ شِهَابٍ، لَهُ رُؤْيَةٌ، وَلَيْسَتْ لَهُ صُحْبَةٌ.

آپ کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی،لیکن صحبت حاصل نہیں ہوئی۔ [1]

یہ بات ہمارے بیان کیے گئے قاعدے کی ناقابلِ تردید دلیل ہے۔اس سلسلے میں ایک اور دلیل ہم فصل پنجم میں ذکر کریں گے۔ إِنْ شَاءَ اللّٰه !

یہی معاملہ سیدنا ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کا ہے کہ محدثین کرام نے ان کے لیے زیارتِ نبوی سے مشرف ہونے کا اثبات کیا ہے،کسی محدث سے اس کی نفی ثابت نہیں۔رہا بعض محدثین کرام کا ان کے لیے صحبت کی نفی کرنا تو اس سے مراد یہ ہے کہ بچپن کی وجہ سے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تفصیلی ملاقات کا موقع نہیں ملا جیسا کہ کتبِ رجال سے عیاں ہے۔

❀ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اگر بالفرض کوئی شخص سیدنا ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو صحابی تسلیم نہ کرے تو بھی یہ حدیث ''منقطع'' یا ''مرسل'' نہیں بنتی،کیونکہ:

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

أَخْبَرَنِي أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، وَكَانَ مِنْ كُبَرَاءِ الْأَنْصَارِ وَعُلَمَائِهِمْ، وَأَبْنَاءِ الَّذِينَ شَهِدُوا بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَهُ أَنَّ السُّنَّةَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجِنَازَةِ أَنْ يُكَبِّرَ الْإِمَامُ، ثُمَّ يَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ سِرًّا فِي نَفْسِهِ، ثُمَّ يَخْتِمَ الصَّلَاةَ فِي التَّكْبِيرَاتِ الثَّلَاثِ.

مجھے ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی۔ابوامامہ رضی اللہ عنہ انصار کے بزرگ ترین لوگوں اور علمائے کرام میں سے تھے،نیز غزوۂ بدر میں

[1] المراسيل لابن أبي حاتم : ص 98.

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر ہونے والے صحابہ کرام کی اولاد میں سے تھے۔

انہوں نے مجھے بتایا کہ نبیٔ اکرم ﷺ کے ایک صحابی نے ان کو یہ بیان کیا:
نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ امام تکبیر کہے، پھر خاموشی سے سورۂ فاتحہ کی قراءت کرے، پھر (پہلی تکبیر کے بعد) تین تکبیروں میں نماز ختم کرے۔ ①

اس روایت میں سیدنا ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ نے یہ صراحت کر دی ہے کہ انہوں نے یہ بات ایک صحابیٔ رسول سے سنی ہے۔ اس صحابیٔ رسول نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کو سنتِ نبوی قرار دیا ہے۔

اس بحث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے علاوہ ایک اور صحابی بھی ہیں جو نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کو سنت قرار دیتے ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا .

❁ حدیثِ ابی امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ اور نماز جنازہ میں ایک سلام

یہاں بطور فائدہ قارئین کرام یہ بات بھی نوٹ کر لیں کہ اس صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں صرف ایک طرف سلام پھیرنا سنت ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَلَيْسَ فِي التَّسْلِيْمَةِ الْوَاحِدَةِ عَلَى الْجِنَازَةِ أَصَحُّ مِنْهُ .
نماز جنازہ میں ایک طرف سلام پھیرنے کے بارے میں یہ صحیح ترین حدیث ہے۔ ②

یہ بھی یاد رہے کہ نماز جنازہ میں دو طرف سلام پھیرنے کے بارے میں نبیٔ اکرم ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں، جبکہ ایک سلام پھیرنے کے متعلق آپ ﷺ کی سنت قارئین کرام نے ملاحظہ فرما لی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام میں سے بھی

---

① شرح معاني الآثار للطحاوي :500/1، وسندهٗ صحيحٌ .

② المستدرك على الصحيحين للحاكم :513/1.

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے بھی نماز جنازہ میں ایک طرف سلام پھیرنا ثابت ہے۔ پھر کسی ایک صحابی سے بھی نماز جنازہ میں دوطرف سلام پھیرنا صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔اسی طرح تابعین کرام میں سے امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ، امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ، امام حسن بصری رحمہ اللہ اور امام مکحول رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ نماز جنازہ میں ایک طرف سلام پھیرنے کا ذکر ملتا ہے۔ ①

امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل و فاعل تھے۔ ②

آخر میں امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا فیصلہ کن فرمان پیش خدمت ہے:

مَنْ سَلَّمَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِتَسْلِيمَتَيْنِ فَهُوَ جَاهِلٌ جَاهِلٌ.

جو شخص نماز جنازہ میں دوسلام پھیرتا ہے، وہ جاہل ہے، جاہل ہے۔ ③

حدیثِ ابی امامہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اعتراضات کا منصفانہ تجزیہ

قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ سیدنا ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ والی مذکورہ حدیث کئی کتبِ حدیث میں موجود ہے۔فن حدیث کا مبتدی طالب علم بھی اس بات سے بخوبی واقف ہوتا ہے کہ ایک حدیث کی سندیں جب مختلف ہوتی ہیں تو اس کے الفاظ بھی مختلف ہو جاتے ہیں اور اسلوب بھی۔ ایک راوی اسے مکمل ذکر کرتا ہے تو دوسرا مختصر۔کوئی راوی اس میں سے ایک مضمون بیان کرتا ہے اور کوئی دوسرا مضمون۔ روایتِ حدیث کا یہ ایک عمومی انداز ہے۔

اس اسلوب کے مطابق یہ حدیث بھی مختلف الفاظ اور اسلوب سے بیان ہوئی ہے۔ مستدرکِ حاکم والی روایت میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے

---

① مصنف ابن أبی شیبة: 307/3، وسند الکلّ صحیحٌ.

② سیرة الإمام أحمد لأبي الفضل: ص 40.

③ مسائل الإمام أحمد لابی داوٗد: 154، وسندہٗ صحیحٌ.

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ماہنامہ السنۃ، جہلم، شمارہ نمبر ⑮

جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب (1310-1394ھ) لکھتے ہیں:

وَفِي التَّلْخِيصِ الْحَبِيرِ: فِي الْمُسْتَدْرَكِ مِنْ طَرِيقِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ: أَنَّهُ أَخْبَرَهُ رِجَالٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ السُّنَّةَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجِنَازَةِ أَنْ يُكَبِّرَ الْإِمَامُ، ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيُخْلِصَ الدُّعَاءَ فِي التَّكْبِيرَاتِ الثَّلَاثِ، ثُمَّ يُسَلِّمَ تَسْلِيمًا خَفِيًّا، وَالسُّنَّةُ أَنْ يَفْعَلَ مَنْ وَرَاءَهُ مِثْلَ مَا فَعَلَ إِمَامُهُ، قَالَ الزُّهْرِيُّ: سَمِعَهُ ابْنُ الْمُسَيِّبِ مِنْهُ، فَلَمْ يُنْكِرْهُ ـ اه، فَهٰذَا حَدِيثٌ وَّاحِدٌ وَسِيَاقُهُ مُخْتَلِفٌ.

(حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب) التلخیص الحبیر میں ہے: المستدرک (علی الصحیحین للحاکم) میں امام زہری رحمہ اللہ کی سند سے یہ روایت یوں ہے کہ ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا: نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ امام تکبیر کہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور میت کے لیے اخلاص کے ساتھ دُعا کرے۔ (یہ کام) تین تکبیروں میں کرے، پھر آہستہ سے سلام پھیرے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ مقتدی بھی وہی طریقہ اختیار کریں جو ان کا امام اختیار کرتا ہے۔ امام زہری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے یہ بات سیدنا ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ سے سنی، لیکن کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یہ ایک ہی حدیث ہے، لیکن انداز مختلف ہے۔

جناب ظفر احمد تھانوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

وَإِذَا صَحَّ الطَّرِيقَانِ يُجْمَعُ بَيْنَهُمَا بِأَنَّ السُّنَّةَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ أَنْ يُّكَبِّرَ الْإِمَامُ، وَيُثْنِيَ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، سَوَاءً كَانَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ أَوْ غَيْرِهَا، وَلِذَا ذَكَرَ الصَّحَابِيُّ مَرَّةً وَّحَذَفَهَا

أُخْرىٰ، وَهٰذَا هُوَ مَذْهَبُ الْحَنَفِيَّةِ فِي الْبَابِ .

جب یہ دونوں سندیں صحیح ہیں تو ان میں تطبیق یہ ہوگی کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ امام تکبیر کہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے، یہ حمد وثناء خواہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ ہو یا کسی اور دُعا کے ساتھ۔ یہی وجہ ہے کہ صحابی نے ایک دفعہ سورۂ فاتحہ کا ذکر کیا ہے اور دوسری دفعہ اسے حذف کر دیا ہے۔ اس مسئلہ میں احناف کا مذہب بھی یہی ہے۔ ①

تجزیہ ① جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، یہ حدیث مختلف انداز سے بیان ہوئی ہے۔ مستدرکِ حاکم والی روایت میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ سیدنا ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کے سنت طریقے میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ مسلم اصول ہے کہ عدمِ ذکر، عدمِ وجود کی دلیل نہیں بن سکتا۔ تھانوی صاحب کا یہ کہنا درست نہیں کہ صحابی نے ایک دفعہ اس کا ذکر کیا ہے، ایک دفعہ چھوڑا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا ذکر امام زہری رحمہ اللہ سے بیان کرنے والے راوی نے اختصار کی وجہ سے چھوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی محدث نے اس حدیث کی عدمِ ذکرِ فاتحہ والی روایت کو نماز جنازہ میں قراءتِ فاتحہ کی ممانعت یا اس کے غیر ضروری ہونے کی دلیل نہیں بنایا۔

پھر امام بیہقی رحمہ اللہ کے اسلوب سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کا ذکر سیدنا ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ نے نہیں چھوڑا، بلکہ اس روایت میں راوی کا مقصود صرف نماز جنازہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی مشروعیت بتانا تھا۔ اسی لیے امام بیہقی رحمہ اللہ نے سورۂ فاتحہ کے ذکر والی روایت کو نماز جنازہ میں قراءت کے باب میں ذکر کیا ہے اور اس روایت کو نماز جنازہ میں درود پڑھنے کے باب میں بیان کیا ہے۔

② تھانوی صاحب اگر امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ روایت ہی دیکھ لیتے تو شاید یہ اعتراض نہ کر پاتے، کیونکہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسی حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ

① إعلاء السنن للتهانوي : 2564/6.

ذکر کیا ہے:

إِنَّ السُّنَّةَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجِنَازَةِ أَنْ يُكَبِّرَ الْإِمَامُ، ثُمَّ يَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ سِرًّا فِي نَفْسِهِ، ثُمَّ يَخْتِمَ الصَّلَاةَ فِي التَّكْبِيرَاتِ الثَّلَاثِ.

نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ امام تکبیر کہے، پھر خاموشی سے سورۂ فاتحہ کی قراءت کرے، پھر (پہلی تکبیر کے بعد) تین تکبیروں میں نماز ختم کرے۔[1]

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ اس روایت میں نبی ﷺ پر درود پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں یہ قطعاً نہیں کہا جا سکتا ایک دفعہ صحابیٔ رسول سیدنا ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ میں درود پڑھنے کا ذکر کیا تھا اور دوسری مرتبہ خود ہی چھوڑ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں ہے .... اگر ایسا ہے تو حنفی بھائیوں کو چاہیے تھا کہ وہ جس طرح ایک روایت میں عدمِ ذکر کی وجہ سے سورۂ فاتحہ کو چھوڑ دیتے ہیں، اسی طرح اس روایت میں عدمِ ذکر کی وجہ سے درود کو بھی چھوڑ دیتے، کیونکہ اس کی سند کے صحیح ہونے کا اعتراف خود تھانوی صاحب نے کر لیا ہے، پھر بعض احادیث میں نماز جنازہ کے بیان میں صرف دُعاؤں کا ذکر ہے، ان کو چاہیے تھا کہ وہ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف دُعاؤں پر اکتفا کر لیتے اور کہہ دیتے کہ باقی سب چیزوں کو چھوڑا جا سکتا ہے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے برعکس فقہ حنفی کی معتبر کتاب ''ہدایہ'' میں نماز جنازہ کا طریقہ یوں بیان ہوا ہے:

وَالصَّلَاةُ أَنْ يُكَبِّرَ تَكْبِيرَةً يَحْمَدُ اللّٰهَ عَقِيبَهَا، ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً يُصَلِّي فِيهَا عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً يَدْعُو فِيهَا لِنَفْسِهِ وَلِلْمَيِّتِ وَلِلْمُسْلِمِينَ، ثُمَّ يُكَبِّرُ الرَّابِعَةَ وَيُسَلِّمُ.

---

[1] شرح معاني الآثار للطحاوي: 500/1، وسندهٗ صحيحٌ.

نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی ایک تکبیر کہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کرے، پھر دوسری تکبیر کہے، اس کے بعد نبی علیہ السلام پر درود پڑھے، پھر تیسری تکبیر کہے، اس کے بعد اپنے لیے، میت کے لیے اور مسلمانوں کے دُعا کرے، پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔ [1]

۳ صحیح اسانید کے ساتھ اس حدیث کو سیدنا ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ سے صرف محمد بن سوید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں اور ان سے صرف امام زہری رحمہ اللہ یہ واقعہ روایت کرتے ہیں۔ پھر امام زہری رحمہ اللہ سے بیان کرنے والے کئی شاگرد ہیں۔ ان میں سے:

معمر بن راشد (مصنف ابن أبي شيبة : 296/3، مصنف عبد الرزاق : 489/3، المنتقىٰ لابن الجارود : 540.)

الليث بن سعد (سنن النسائي الصغرىٰ : 1989، سنن النسائي الكبرىٰ : 2116، العلل للدارقطني : 259/12.)

شعیب بن ابی حمزہ (مسند الشاميين للطبراني : 160/4، رقم الحديث : 3000، شرح معاني الآثار للطحاوي : 500/1.)

وغیرہم (العلل للدارقطني : 259/12.) نے امام زہری رحمہ اللہ سے بیان کرتے وقت اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ صرف ایک شاگرد یونس بن یزید الایلی (المستدرك على الصحيحين للحاكم : 513/1، السنن الكبرىٰ للبيهقي : 39/4.) نے امام زہری رحمہ اللہ سے بیان کرتے وقت سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں کیا۔

اب امام زہری رحمہ اللہ سے سورۂ فاتحہ کو بیان کرنے والے شاگرد کئی ہیں اور سورۂ فاتحہ کا ذکر چھوڑنے والے شاگرد یونس بن یزید الایلی اکیلے ہیں۔ پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ امام زہری رحمہ اللہ سے بیان کرتے وقت سورۂ فاتحہ کا ذکر کرنے والے راوی حفظ و اتقان میں بھی یونس بن یزید الایلی سے بہت بلند ہیں، جیسا کہ ان کے بارے میں محدثین کرام کے فیصلے

---

[1] الهداية للمرغيناني، فصل في الصلاة على الميت.

سے عیاں ہے۔ ہم اختصار کی خاطر صرف ابن حجر رحمہ اللہ کا فیصلہ ذکر کیے دیتے ہیں:

سورۂ فاتحہ کا ذکر کرنے والے راوی		ذکر نہ کرنے والے راوی	
معمر بن راشد...... ثقة ، ثبت ، فاضل .			
اللیث بن سعد...... ثقة ، ثبت ، فقيه .		یونس بن یزید الایلی	ثقة .
شعیب بن ابی حمزہ.....ثقة ، عابد .			

پھر یہ تو ان راویوں کا عمومی تقابل تھا۔ ایک استاذ کے شاگرد ہونے کے ناطے بھی سورۂ فاتحہ کا ذکر کرنے والے راوی امام زہری رحمہ اللہ سے بیان کرنے میں یونس بن یزید کے مقابلے میں اعلیٰ درجے کے ہیں، جیسا کہ شعیب بن ابی حمزہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ أَصَحُّ حَدِيثًا عَنِ الزُّهْرِيِّ مِنْ يُونُسَ .

شعیب بن ابی حمزہ امام زہری رحمہ اللہ سے بیان کرنے میں یونس سے زیادہ راست رَو ہیں۔ ①

یونس بن یزید کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں:

إِنَّ فِي رِوَايَتِهِ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَهْمًا قَلِيلًا .

ان کو امام زہری رحمہ اللہ سے بیان کرنے میں کچھ وہم ہو جاتا ہے۔ ②

اب قارئین کرام نے ملاحظہ فرما ہی لیا ہے کہ سیدنا ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سورۂ فاتحہ کا ذکر کرنے والے راوی یونس بن یزید کے مقابلے میں عموماً بھی اعلیٰ درجے کے ہیں اور وہ اپنے استاذ زہری رحمہ اللہ سے بیان کرنے میں خصوصاً بھی زیادہ پختہ کار ہیں، لیکن جناب ظفر احمد تھانوی صاحب اور دیگر حنفی احباب نے پھر بھی یونس بن

---

① الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 344/4 ، وسندهٗ حسنٌ .

② تقريب التهذيب : 7919.

یزید کی بات کو لے کر سورۂ فاتحہ کو چھوڑ دیا ہے۔ اگر احناف اس حدیث میں اختصار کی وجہ سے سورۂ فاتحہ رہ جانے کے قول پر مطمئن نہیں تھے تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ زیادہ تعداد، زیادہ ثقہ اور زیادہ پختہ کار راویوں کی بات پر اعتماد کرتے۔

④ خود جناب ظفر احمد تھانوی صاحب نے صرف پگڑی پر مسح سے انکار کرتے ہوئے اس بارے میں موجود صحیح وصریح احادیث کا یہ جواب دیا تھا:

ظَنَّ الرَّاوِي أَنَّ الْمَسْحَ عَلَى النَّاصِيَةِ مَعْلُومٌ، وَالْمُهِمُّ هُوَ التَّكْمِيلُ عَلَى الْعِمَامَةِ، فَاقْتَصَرَ عَلٰى ذِكْرِ مَسْحِهَا .

راوی نے سمجھا کہ پیشانی پر مسح تو سب کو معلوم ہے۔ اہم بات تو پگڑی پر مسح کو مکمل کرنا تھا، لہٰذا اس نے صرف پگڑی کے مسح کو ذکر کیا۔

وَيُؤَيِّدُ ذٰلِكَ أَنَّ الِاخْتِصَارَ فِي الرِّوَايَةِ وَالِاقْتِصَارَ عَلٰى ذِكْرِ الْمُهِمِّ لَمْ يَزَلْ مِنْ دَأْبِ الرُّوَاةِ قَدِيمًا وَّحَدِيثًا .

اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ روایت میں اختصار اور اہم بات کے ذکر پر اکتفا کرنا قدیم وجدید زمانے میں راویوں کی عادت رہی ہے۔ ①

تھانوی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشانی اور پگڑی دونوں پر مسح کیا تھا، لیکن راوی نے پیشانی کا ذکر اختصار کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ ہم نے تھانوی صاحب کی اس بات کو سنتِ رسول، اقوال وافعالِ صحابہ اور آراءِ محدثین سے غلط ثابت کیا تھا۔ ②

عرض ہے کہ پگڑی پر مسح کے بارے میں تو محدثین وفقہائے کرام کی تصریحات کے خلاف بھی یہ قانون تھانوی صاحب نے پورے زور وشور سے پیش کیا تھا، لیکن کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کے مسئلہ میں وہ اسے بھول گئے ہیں، حالانکہ یہاں ایسا کہنا سنتِ رسول، فہمِ صحابہ اور عملِ سلف کے موافق بھی ہے؟

---

① إعلاء السنن للتهانوي: 1/54-61، ملخّصًا.

② دیکھیں: ماہنامہ ضربِ حق، جلد نمبر ①، شمارہ نمبر ⑩.

گذشتہ ماہ ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' میں ہمارے ایک محترم بھائی کا مضمون بنام ''حدیث حسن لغیرہٖ کی حجیت؟'' شائع ہوا، جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''ضعیف+ضعیف=حسن'' کو حجت تسلیم نہ کرنے کا نظریہ موجودہ دور کی پیداوار ہے۔ وہ فرماتے ہیں : '' دورِ حاضر میں بعض حضرات نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ 'حسن لغیرہ حدیث' قابل حجت نہیں ہوتی۔ اور جن احادیث کو حسن لغیرہ کی فہرست میں لاکر قدیم و جدید محققین نے قابل حجت گردانا ہے انہیں وہ قبول نہیں کرتے۔ محدث العصر علامہ ناصر السنہ علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کے سلسلہ صحیحہ میں سے بھی کئی احادیث کو وہ اسی بنیاد پر ناقابل حجت قرار دیتے ہیں، بلکہ اس بارے میں کتابیں بھی لکھ دی گئی ہیں۔ اس تحریر میں ان کے پیش کردہ اعتراضات کا تحقیقی جائزہ اور ان کے دلائل کا محاکمہ مقصود ہے۔'' (ماہنامہ ضیائے حدیث: جلد۲۰، شمارہ۲، صفحہ۱۹)

عرض ہے کہ محترم نے ''ضعیف+ضعیف=حسن'' کو حجت نہ ماننے والوں کے اصل دلائل ذکر ہی نہیں کیے۔ اس قسط وار مضمون میں ہم اللہ کے فضل سے وہ دلائل بھی پیش کریں گے، جن سے جناب محترم نے چشم پوشی کی ہے، نیز ان کا کہنا تھا کہ: ''حسن لغیرہ کو ماننے والے جمہور علماء ہیں نہ کہ بعض لوگ، چنانچہ ذیل میں ہم چند علماء و محدثین کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور بوقتِ ضرورت ان کے اقوال کو مفصلاً پیش کریں گے۔'' پھر امام بیہقی رحمہ اللہ (جن کا تساہل مسلّم ہے) سے شروع ہو کر شیخ عبدالمحسن العباد تک پچیس متاخرین علماء کے حوالے ذکر کر کے لکھتے ہیں: '' علاوہ ازیں امام سفیان بن عیینہ، امام شافعی، یحییٰ بن سعید قطان، محمد بن یحییٰ ذہلی، امام بخاری، امام ترمذی، امام دارقطنی، ابنِ ترکمانی، حافظ علائی، حافظ ذہبی، حافظ عراقی رحمہم اللہ وغیرہم کے اقوال بھی ہم بوقتِ ضرورت ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ
(ماہنامہ ضیائے حدیث: جلد۲۰، شمارہ۲، صفحہ۱۹)

ہمارا مؤدبانہ سوال ہے کہ کیا ''ضعیف+ضعیف=حسن'' کو جمہور کا مذہب قرار دینے سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ محدثین کرام میں سے کچھ لوگ محترم کے نزدیک بھی ایسے تھے جو اس اصول کو تسلیم نہیں کرتے تھے؟ اگر ایسا ہے تو پھر ''دورِ حاضر'' میں اس نظریے کے پیش ہونے کا دعویٰ کیسا؟ اور اگر محترم نے جمہور سے مراد موجودہ دور کے علمائے کرام لیے ہوں، یعنی ان کا خیال ہو کہ محدثین کرام تو سب اس اصول کو مانتے تھے، البتہ موجودہ دور میں اختلاف ہوا ہے اور اکثر علمائے کرام تو اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں، بعض لوگ اسے نہیں مانتے ...... تو حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (773-852) کے بقول یہ بات بھی غلط

ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے دور، یعنی نویں صدی ہجری میں ''ضعیف+ضعیف=حسن'' کے بارے میں لکھا ہے کہ اس پر اتفاق کا دعویٰ نہیں ہوسکتا۔ (النکت علی کتاب ابن الصلاح: 402/1 بتحقیق ربیع بن هادي المدخلي)

اس سے معلوم ہوا کہ میرے محترم بھائی کی یہ بات یقیناً غلط ہے کہ: ''دور حاضر میں بعض حضرات نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ 'حسن لغیرہ حدیث' قابل حجت نہیں ہوتی۔''

پھر محترم نے ''ضعیف+ضعیف=حسن'' کے اصول کو جمہور کا مذہب ثابت کرنے کے لیے متاخرین کے حوالے تو ذکر کر دیئے ہیں، لیکن متقدمین ائمہ دین میں سے کسی ایک کا بھی حوالہ ذکر نہیں کیا، بلکہ ان کے حوالے ''بوقتِ ضرورت ذکر'' کرنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ ہم ان کی جناب میں درخواست کرتے ہیں کہ محترم وقتِ ضرورت آ پہنچا! وہ دوبارہ اس موضوع پر جلد قلم اُٹھائیں اور اپنی تحریر کا آغاز اسی سے کریں اور پھر ان سب سے نہیں، صرف امام سفیان بن عیینہ، امام شافعی، امام یحییٰ بن سعید قطان، امام محمد بن یحییٰ ذہلی، امام بخاری رحمہم اللہ سے ''ضعیف+ضعیف=حسن'' والا اصول ثابت کر دیں تاکہ ہم اس قسط وار مضمون میں ہی اپنی بات سے رجوع کر لیں۔ ہاں یہ ضرور ذہن نشین رہے کہ ایک تو ائمہ متقدمین کے اقوال ذکر کرنے میں استنادی اہتمام ضرور کریں، یعنی یہ اصول ان محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہو اور اگر بعد والی کتب سے حوالہ پیش کیا جائے تو اس کی صحیح سند پیش کی جائے۔ دوسرے یہ کہ ائمہ متقدمین کے وہ اقوال پیش کیے جائیں جن میں ''ضعیف+ضعیف=حسن'' والا اصول بیان ہوا ہو۔ محض لفظِ ''حسن'' سے بات نہیں بنے گی، کیونکہ متقدمین ائمہ کرام ''صحیح''، ''حسن لذاتہ''، ''منکر'' اور ''غریب'' احادیث پر بھی لفظِ ''حسن'' استعمال کرتے ہیں اور اس بات سے فن حدیث و مصطلح حدیث سے مس رکھنے والے لوگ بخوبی واقف ہیں۔

یہ تو خیر تمہیدی باتیں تھیں۔ آیئے محترم کے اس مضمون کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔ آغاز میں انہوں نے یمن کے عظیم محدث علامہ مقبل بن ہادی رحمہ اللہ کی ایک عبارت نقل کی تھی۔ ہم بھی شروع میں انہی کے کچھ فرمان پیش کریں گے، ملاحظہ فرمائیں:

ان سے سوال ہوا کہ اگر متقدمین ائمہ کسی حدیث کو ''ضعیف'' قرار دیں، پھر متاخرین آ کر اسے ''صحیح'' کہہ دیں .... اس کے جواب میں شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سؤال حسن ومهمّ جدًّا ــ جزاكم الله خيرًا ــ العلماء المتقدّمون مقدّمون في هذا، لأنّهم كما قلنا قد عرفوا هذه الطرق، ومن الأمثلة على هذا ما جاء أنّ الحافظ رحمه الله يقول في حديث المسح على الوجه بعد الدعاء أنّه بمجموع طرقه حسن، والإمام أحمد يقول: إنّه حديث لا يثبت، وهكذا إذا حصل من الشيخ ناصر الدين الألبانيّ حفظه الله تعالى هذا نحن نأخذ بقول المتقدّمين ونتوقّف في كلام الشيخ ناصر الدين الألبانيّ .... فنحن الذي تطمئنّ إليه نفوسنا أنّنا نأخذ بكلام المتقدّمين، لأنّ الشيخ ناصر الدين الألبانيّ حفظه الله تعالى ما بلغ في الحديث مبلغ الإمام أحمد بن حنبل، ولا مبلغ البخاريّ، ومن جرى مجراهما، ونحن ما نظنّ أنّ المتأخرين يعثرون على مالم يعثر عليه المتقدّمون اللّهمّ إلّا في

النادر ، فالقصد أنّ هذا الحديث إذا ضعّفه العلماء المتقدّمون الذين هم حفّاظ ، ويعرفون كم لكلّ حديث من طريق ، فأحسن واحد فى هذا الزمن هو الشيخ ناصر الدين الألبانيّ حفظه اللّٰه تعالى ، فهو يعتبر باحثًا ، ولا يعتبر حافظًا ، وقد أعطاه اللّٰه من البصيرة فى هذا الزمن ما لم يعط غيره ، حسبه أن يكون الوحيد فى هذا المجال ، لكن ما بلغ مبلغ المتقدمين .

''یہ بہت عمدہ اور اہم سوال ہے ۔ متقدمین علماء اس فن (تصحیح وتضعیف) میں مقدم آ گے ہیں ، کیونکہ ان کو حدیث کی سب سندوں کی پہچان ہوتی ہے ۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنے والی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ سب سندوں کو ملا کر حسن بنتی ہے ، جبکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (164-241ھ) فرماتے ہیں : یہ حدیث (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے) ثابت نہیں ۔ اسی طرح جب شیخ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ (اس وقت شیخ رحمہ اللہ زندہ تھے) سے ایسی بات ہو (ان کا کسی حدیث کی تصحیح وتضعیف میں متقدمین سے اختلاف ہو جائے) تو ہم متقدمین کے قول کو لیں گے اور شیخ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ کی بات (کو تسلیم کرنے) میں توقف کریں گے ۔ جس بات پر ہمارا دل مطمئن ہوتا ہے ، وہ یہ ہے کہ ہم متقدمین کی بات کو قبول کریں گے ، کیونکہ شیخ البانی حفظہ اللہ فنِ حدیث میں اس مقام کو نہیں پہنچے جس پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ، امام بخاری رحمہ اللہ اور ان جیسے متقدمین ائمہ فائز تھے ۔ ہمارا نہیں خیال کہ متاخرین اس بات پر اطلاع پا لیں جس پر متقدمین اطلاع نہ پا سکے ہوں ، ہاں کبھی کبھار ایسا ہو سکتا ہے ۔ بات کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث کو جب ائمہ متقدمین جو حفاظِ حدیث تھے اور جانتے تھے کہ ہر حدیث کی کتنی سندیں ہیں ، وہ ضعیف قرار دے رہے ہیں ، لیکن کوئی اس زمانے میں اسے حسن قرار دے ، مثلاً شیخ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ تو انہیں ایک محقق سمجھا جائے گا ، حافظِ حدیث نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ کو وہ بصیرت عطا کی ہے جو اس زمانے میں کسی اور کو نہیں دی ۔ ان کی عظمتِ شان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اس میدان میں وحیدِ زمان ہیں ، لیکن وہ متقدمین کے علم کو نہیں پہنچ پائے ۔''(اسئلة فى المصطلح ، السوال : ٢٠، نقلا عن كتب ومؤلفات الشيخ مقبل الوادعى من المكتبة الشاملة)

ایک مقام پر شیخ رحمہ اللہ عللِ حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں :

ففهمنا من هذا أنه إذا قال العلماء المتقدّمون ولم يختلفوا أخذنا به عن طيبة نفس واقتناع ، وإذا قاله حافظ من معاصرى الحافظ ابن حجر نتوقّف فيه .

''اس بحث سے یہ بات ہماری سمجھ میں آ گئی ہے کہ جب متقدمین علمائے کرام ایسی بات کہیں اور اس میں اختلاف نہ کریں تو ہم اسے خوشدلی اور قناعت سے لے لیں گے اور جب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے ہم عصر علمائے کرام میں سے کوئی ایسی بات کہے تو اس (کو قبول کرنے) میں ہم توقف کریں گے ۔''(اسئلة فى المصطلح ، السوال : ١١، نقلا عن كتب ومؤلفات الشيخ مقبل الوادعى من المكتبة الشاملة)

نیز شیخ مقبل رحمہ اللہ سے متقدمین اور متاخرین کے منہج کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا :

أرونـي شخصًا يحفظ مثل ما يحفظ البخاريّ ، أو أحمد بن حنبل ، أو تكون له معرفة بـعـلم الرجال مثل يحيى بن معين ، أو له معرفة بالعلل مثل عليّ بن المدينيّ ، والدارقطنيّ ، بل مثل معشار الواحد من هؤلاء ، ففرق كبير بين المتقدّمين والمتأخرين . ’’ مجھے ایک ایسا شخص دکھائیں جو امام بخاری ؒ یا امام احمد بن حنبل ؒ کی طرح حافظہ رکھتا ہو یا اسے امام یحییٰ بن معین ؒ کی طرح علمِ رجال کی معرفت ہو یا اسے امام علی بن مدینی ؒ اور امام دارقطنی ؒ کی طرح علل حدیث کی معرفت ہو ، بلکہ ان کے عشرعشیر کے برابر بھی موجودہ دور میں کوئی نہیں ، لہٰذا متقدمین اور متاخرین میں بہت فرق ہے ۔‘‘

پھر شیخ ؒ سے سوال ہوا کہ مصطلح الحدیث پر لکھی گئیں کتب ، مثلاً مقدمہ ابن الصلاح ، (علامہ سیوطی ؒ کی) تدریب الراوی ، (حافظ ابنِ حجر ؒ کی) توضیح الافکار وغیرہا فقہاء اور متکلمین کے اصول وقواعد کے مطابق ہیں یا متقدمین محدثین کے اصولوں پر مبنی ہیں؟ تو شیخ ؒ نے جواب دیا:

غـالبها على قواعد وأصول المحدّثين المتقدّمين ، وقد دخلها دخيل من كتب الفقهاء ، من الأمثلة علـى هـذا : تـقسيـم الـحـديث إلى متواتر وآحاد ، فهذا من كتب الفقهاء والفقه ، أخذوه عن إبراهيم بن عليّة، وعبدالرحمن بن كيسان ابن الأصم' وهما مبتدعان ، وتوضيح الأفكار ، فالأخذ به أكثر من كتب الفقهاء وأصول الفقه ، وهكذا فتح المغيث ......

’’ان کتابوں کا بیشتر حصہ متقدمین محدثین کے اصول وقواعد پر مبنی ہے ، لیکن ان میں فقہائے کرام کی کتابوں میں سے بھی کچھ چیزیں داخل ہوگئی ہیں ۔ اس ایک مثال حدیث کی متواتر اور آحاد میں تقسیم ہے ۔ یہ چیز فقہائے کرام کی کتابوں اور فقہ میں سے ہے ۔ فقہائے کرام نے یہ چیز ابراہیم بن علیۃ اور عبدالرحمٰن بن کیسان بن الاصم سے لی تھی اور وہ دونوں بدعتی تھے ۔ توضیح الافکار میں بھی بہت سی باتیں فقہاء اور اصولِ فقہ سے لی گئی ہیں ، اسی طرح فتح المغیث کا حال ہے ۔‘‘(تحفة المجيب على اسئلة الحاضر والمجيب نقلا عن المكتبة الشاملة)

شیخ مقبل بن ہادی الوادعی ؒ کے ان سنہری اقوال سے درج ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں :

① تصحیح وتضعیفِ حدیث کے سلسلے میں متقدمین اور متاخرین کے منہج میں فرق ہے ۔

② جب تصحیح وتضعیفِ حدیث میں اختلاف ہو تو متقدمین کے مقابلے میں متاخرین کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا ۔ ③ متاخرین کی معرفتِ حدیث باوجود قابلِ قدر ہونے کے متقدمین کے عشرعشیر بھی نہیں ۔

④ متاخرین کی طرف سے لکھی گئی مصطلح حدیث کی معروفِ زمانہ کتب میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو متقدمین ائمہ حدیث کے منہج کے خلاف ہیں ۔ صرف مصطلح کی کتابیں ہونے کے ناطے ایسی باتیں قبول نہیں کی جائیں گی ، بلکہ متقدمین کے خلاف ہونے کی وجہ سے وہ ناقابل اعتبار ہی رہیں گی ۔ ⑤ کسی بات پر اگر متقدمین متفق ہوں تو متاخرین کا ان سے اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا ۔ بات مقدمین کی ہی مانی جائے گی ۔

متاخرین کے مقابلے میں متقدمین کا علم وفن کتنا زیادہ معتبر ہوتا ہے ، اس بارے میں ہم اسی پر اکتفا

کریں گے، ورنہ اس پر محدثین نے باقاعدہ کتب تصنیف کی ہیں۔

شیخِ یمن علامہ مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ کی اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارا نظریہ ہے کہ ''ضعیف+ضعیف=حسن'' والا اصول درست نہیں، کیونکہ متقدمین محدثین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ امام شافعی، امام علی بن مدینی، امام محمد بن یحییٰ ذہلی، امام بخاری، امام مسلم، وغیرہم متقدمین ائمہ سے یہ اصول قطعاً ثابت نہیں۔

محترم نے ''ضعیف+ضعیف=حسن'' کے بارے میں یہ جو دعویٰ کیا ہے کہ: ''حسن لغیرہ کو ماننے والے جمہور علماء ہیں نہ کہ بعض۔'' ہمارے نزدیک دُرست نہیں، کیونکہ بہت سے ائمہ متقدمین سے یہ اصول ثابت نہیں۔ ان میں سے چند محدثین کرام کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں:

① امام وکیع بن جراح ② امام یحییٰ بن سعید قطان ③ امام عبدالرحمٰن بن مہدی ④ امام عبداللہ بن وہب مصری ⑤ امام یزید بن ہارون ⑥ امام سلیمان بن داؤد طیالسی ⑦ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی ⑧ امام شافعی ⑨ امام علی بن جعد ⑩ امام ابوعبید القاسم بن سلام ⑪ امام عبداللہ بن زبیر حمیدی ⑫ امام ابنِ سعد ⑬ امام قتیبہ بن سعید ⑭ امام علی بن مدینی ⑮ امام یحییٰ بن معین ⑯ امام عثمان بن ابی شیبہ ⑰ امام احمد بن حنبل ⑱ امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام دارمی ⑲ امام عثمان بن سعید دارمی ⑳ امام محمد بن یحییٰ ذہلی ㉑ امام محمد بن اسماعیل بخاری ㉒ امام احمد بن عبداللہ عجلی ㉓ امام صالح بن احمد بن حنبل ㉔ امام مسلم بن حجاج ㉕ امام عبید اللہ بن عبدالکریم ابو زرعہ رازی ㉖ امام یعقوب بن سفیان فسوی ㉗ امام ابو حاتم رازی ㉘ امام محمد بن عیسیٰ ترمذی ㉙ امام محمد بن یزید ابنِ ماجہ ㉚ امام عبداللہ بن احمد بن حنبل ㉛ امام ابوبکر احمد بن عمرو بزار ㉜ امام احمد بن شعیب نسائی ㉝ امام عبداللہ بن علی ابنِ جارود ㉞ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ ㉟ امام یعقوب بن اسحاق ابوعوانہ ㊱ امام محمد بن عمرو ابوجعفر عقیلی......وغیرہم رحمہم اللہ۔

اگر متاخرین کے سینکڑوں حوالے بھی پیش کیے جائیں تو ان کے مقابلے میں ہزاروں متقدمین محدثین پیش کیے جا سکتے ہیں کہ ان سے ''ضعیف+ضعیف=حسن'' والا اصول ثابت نہیں۔ البتہ متقدمین ائمہ کرام سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے کئی معمولی ضعف والی اسانید کو ضعیف قرار دیتے ہوئے یہ اعلان کیا ہے کہ اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔ آئندہ قسطوں میں اس بات کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا جائے گا۔ اس کے برعکس متقدمین ائمہ کرام میں سے کسی ایک محدث سے بھی یہ ثابت نہیں کہ وہ ''ضعیف+ضعیف=حسن'' کے قائل و فاعل ہو۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کی اصطلاحِ حسن کی آیندہ قسطوں میں وضاحت کی جائے گی اور دلائل کے ساتھ تفصیلاً یہ بتایا جائے گا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ بھی ''ضعیف+ضعیف=حسن'' کے حجت ہونے قائل نہ تھے۔

جب ان ائمہ کرام کا دین ایسی ''حسن لغیرہ'' روایات کے بغیر مکمل تھا تو ان کو ردّ کر کے ہمارا دین ناقص کیوں؟ اور اگر فنِ حدیث میں السابقون الاوّلون کا درجہ رکھنے والے یہ جلیل القدر ائمہ ان ''ضعیف+ضعیف'' روایات کو ردّ کر کے ''سنتوں کو ٹھکرا دینے'' کے مرتکب نہیں ہوئے تو آج کے دور میں انہی کے منہج صادق پر چل کر ایسی روایات کو ردّ کرنے والوں کے بارے میں ایسا سوچنا صحیح کیسے ہوا؟

جاری ہے۔۔۔